تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ ۱۵

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ایڈیٹر سید محمد الحسنی

معاون سعید الاعظمی ندوی

۱۴ صفر ۱۳۸۴ھ مطابق ۲۵ جون ۱۹۶۴ ع

دار العلوم ندوۃ العلماء میں زیر تعمیر رواق سلیمانی کا ایک حصہ

کیا عجب میری نواہائے سحر گاہی سے
زندہ ہو جائے وہ آتش جو تری خاک میں ہے
توڑ ڈالے گی یہی خاک طلسم شب و روز
گرچہ الجھی ہوئی تقدیر کے پیچاک میں ہے

سالانہ چندہ پانچ روپئے

فی پرچہ ۲۵ پیسے

بقیہ کامیابی کا راز صرف طاقت نہیں

اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو یقین مانو کہ ہم کو ان سے لڑنے کی طاقت نہ تھی۔ اس لئے کہ ہماری تعداد ان کی تعداد سے اور ہماری تیاری ان کی تیاری سے بہت فروتر ہے لہٰذا اگر ہم گناہ میں ان کے برابر ہو جائیں تو بلا شبہ وہ طاقت میں ہم سے بڑھ کر ثابت ہونگے، ہم محض اپنے فضل ہی کی بنا پر ان سے جیت سکتے ہیں، یہ بھی یاد رکھو کہ تمہارے اس سفر میں اللہ کے مقرر کردہ کچھ فرشتے ساتھ لگے ہوئے ہیں اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اسے دیکھتے ہیں، اس لئے ان سے شرم کرو اور اللہ کی راہ میں نکلنے کے بعد گناہوں سے بہت اجتناب کرو، اور یہ کبھی نہ کہو کہ ہمارے دشمن ہم سے بدتر ہیں اس لئے وہ ہم پر مسلط نہیں کئے جا سکتے خواہ ہم کتنی ہی کوتاہیاں کریں، تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ بہت سی اچھی قوموں پر بری قومیں مسلط کر دی گئیں۔ جس طرح بنی اسرائیل پر جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں حصہ لیا تو مجوسی کافر مسلط کر دیئے گئے اور وہ گھروں میں گھس پڑے اور اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔

اور دشمن کی زبانی بھی تقویٰ کی کہانی سن لیجئے۔

رومیوں کا بادشاہ ہرقل جب انطاکیہ میں تھا تو رومی سپاہی شکست خوردہ اس کے پاس پہونچے۔ شکست کا حال سنکر اس کو بڑا تعجب ہوا اس نے اپنے لشکر کے لوگوں سے پوچھا کہ مجھے اس قوم (مسلمانوں) کے بارے میں بتاؤ جن سے تمہارا مقابلہ ہوا کہ وہ تمہارے ... جیسے انسان نہیں تھے۔ سب نے یک زبان ہو کر اعتراف کیا کہ بیشک وہ بھی انسان تھے

رسالہ المسلمون ہندوستان میں

عالم اسلام کا مشہور دینی اور فکری ماہنامہ المسلمون جو اسلام کے پرجوش داعی اور مبلغ ڈاکٹر سعید رمضان کے زیر ادارت مرکز اسلامی جنیوا سے شائع ہوتا ہے۔

اب کئی ماہ سے ہندوستان میں بھی اس کے شائقین کے لئے مہیا کیا جا رہا ہے۔ فی الحال سال رواں میں سے العدد الرابع تا العدد السابع موجود ہیں خواہشمند حضرات ذیل کے پتہ سے طلب فرما سکتے ہیں

قیمت فی شمارہ

۱/۵۰ - محصول ڈاک اس کے علاوہ

پتہ

دفتر پندرہ روزہ الرائد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

پھر اس نے دریافت کیا کہ ان کی تعداد زیادہ تھی یا تمہاری؟ سب نے کہا کہ ہماری تعداد انکی تعداد سے ہر جگہ کئی گنا زائد تھی، تو پھر تم کیوں شکست کھا گئے؟ ہرقل نے کہا۔ اس کا جواب ان کے ایک بزرگ نے اس طرح دیا۔ وہ لوگ (مسلمان) راتوں کو اٹھ کر عبادت کرتے ہیں۔ دن کو روزے رکھتے ہیں۔ وعدہ کو پورا کرتے ہیں اچھی بات کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں آپس میں انصاف اور عدل کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ہم ان کے مقابلہ میں ان کے بالکل برعکس، شراب پیتے ہیں، زنا کرتے ہیں۔ حرام کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بے وفائی کرتے ہیں۔ غصہ اور ظلم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور اس کی رضامندی کے کاموں سے روکتے ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں! ہرقل نے کہا کہ تم نے بالکل سچ کہا ہے۔"

کیا یہ ساری باتیں اس بات کی کھلی ہوئی دلیل نہیں ہیں کہ صرف مادی طاقت آپ کے کچھ کام نہیں آسکتی۔ مادی اسباب و وسائل اور ظاہری تدابیر کی کامیابی کے لئے معنوی طاقت اور ایمان و یقین، تقویٰ و عزیمت کی کتنی شدید ضرورت ہے؟ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو دین و دنیا کی تقسیم جسم و روح کی تفریق کا قائل نہیں ہے۔ وہ صرف صبر و توکل کا زہد و قناعت کی تعلیم بھی نہیں دیتا اور نہ محض اسباب و وسائل پر اعتماد، ظاہری قوت پر بھروسہ کرنے کی تلقین کرتا ہے، بلکہ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں ان دونوں پہلوؤں کی رعایت ضروری قرار دیتا ہے۔

بقیہ مولانا سید خواجہ احمد نصیرآبادیؒ

وہی شخص اس معیار پر پورے طور پر اتر سکتا ہے۔ جو اعلیٰ درجہ کا صاحب استقامت ہو اور جس نے اس میں پورا مجاہدہ اور ریاضت کی ہو پھر اس بارے میں ان لوگوں کی شہادت وقیع نہیں جنھوں نے کسی اجتماع میں یا کسی اہتمام کے موقع پر اس شخص کو دیکھا ہو یا دو چار دن اس کو ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا ہو اس بارے میں اس شخص کی گواہی بڑی قیمت رکھتی ہے جو سفر و حضر کا رفیق جلوت و خلوت کا شریک گھر اور باہر کا دیکھنے والا ہو، اور طویل مدت تک مختلف حالات و مقامات میں اس کے ساتھ رہنے اور قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہو، ہم اس موقعہ پر مولوی حکیم سید فخر الدین صاحبؒ کا بیان پیش کرتے ہیں، حکیم صاحب مرحوم کے حضرت مولانا پھوپھا تھے، اور حکیم صاحب آپ کے مکان ہی میں رہتے تھے۔ ان سے کوئی پردہ اور تکلف نہ تھا ان کو مدتوں آپ کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوتا تھا، آپ نے اپنی کتاب (فارسی) میں شب و روز اور سفر و حضر کے پورے معمولات و عادات لکھے ہیں۔ اور حتی الامکان کوئی قابل ذکر بات چھوڑی نہیں یہ سوانح نگاری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ہم اس کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

بقیہ خطبات نبوی

فاطلبوہ بطاعۃ اللہ عز وجل۔

ترجمہ (لوگو میں تمہیں وہی حکم دیتا ہوں جو اللہ نے دیا ہے اور انھیں چیزوں سے روکتا ہوں جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔ پس تم رزق کی جستجو میں اچھائی اور فرمانبرداری اختیار کرو۔ اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ تم میں سے ہر ایک کو اس کا رزق اسی طرح تلاش کرتا رہتا ہے جیسے اس کی موت، دیکھو اگر کبھی رزق میں تنگی پاؤ تو گھبرا کر حدود شرع سے آگے قدم نہ رکھنا۔ طلب رزق میں ہمیشہ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا خیال رکھنا۔

(جلد اول)

تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ

مرتبہ یونس نگرامی ندوی

اللہ کے نیک بندوں کی صحبت ہی موجودہ دنیا کا صحیح علاج ہے اگر آپ کو اس موضوع سے دلچسپی ہے تو "تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ" کا مطالعہ فرمایئے۔ "تعمیر حیات" کے ان ایمان افروز مضامین کا مجموعہ جسکی ہر قسط ہندو پاک کے متعدد رسائل و اخبارات میں شائع ہوتی رہی۔

اپنے موضوع پر منفرد کتاب

قیمت صرف ۱۲ آنے

ملنے کا پتہ

۱۔ مکتبہ طیبہ سی ۲۸/۲۰۷ ڈیوڑھی آغا میر لکھنؤ
۲۔ صدق بک ایجنسی کچہری روڈ، لکھنؤ
۳۔ مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ۔
۴۔ مکتبہ اسلام ۳۷، گوئن روڈ لکھنؤ۔

پرنٹر پبلشر محمد الحسنی نے شاہی پریس سے چھپوا کر دفتر تعمیر حیات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

ترسیل زر و انتظامی امور کے لئے پتہ

منیجر "تعمیر حیات" شعبہ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ

مضامین وغیرہ کے لئے خط کتابت اس پتہ سے کی جائے

ایڈیٹر تعمیر حیات شعبہ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ

فی کاپی ۲۵ پیسے سالانہ ۵ روپیہ ششماہی ۳ روپیہ

(ممالک غیر کے لئے ٦ روپیہ)

پاکستان میں چندہ جمع کرنیکا پتہ

مولانا حکیم نصیر الدین صاحب نظامی ندوی فریئر روڈ کراچی (مغربی پاکستان)

قابلِ توجہ

تعمیر حیات کی قیمت لاگت سے بہت کم رکھی گئی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ حضرات مستفید ہو سکیں، اس لئے اہل استطاعت حضرات سے پُرزور گذارش ہے کہ حسب ذیل عطیات عطا فرما کر دینی لٹریچر کی نشر و اشاعت اور ادارہ کی اعانت میں حصہ لیں!

معاونین خصوصی سے	200 - 00
معاونین سے	100 - 00 / 50 - 00
اعزازی خریداران سے	25 - 00

پندرہ روزہ

تعمیر حیات لکھنؤ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء

جلد ۱ ‖ ۲۵ جون ۱۹۶۴ء مطابق ۱۴ صفر ۱۳۸۴ھ ‖ شمارہ ۱۲

اس شمارے میں

شاید کہ ترے دل میں اتر جائے مری بات ... ... ایڈیٹر ۱

سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ... ... مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ... ۳

اپنے دلکو مخلوق کے ڈر سے آزاد کرو ... ... حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ ... ۵

بعض رائج الوقت اصطلاحیں ... ... مولانا شاہ معین الدین ندوی ... ۶

موجودہ دنیا میں اسلام کا کردار ... ... محمد قطب (مصر) ۷

ندوۃ العلماء منزل بہ منزل ۸

حسرت نصیبی ... ... (نظم) ... ... زائرحرم حمید صدیقی ... ۹

حسن فطرت کے دریچے سے ... (نظم) ... ... حکیم انجم اعظمی ۹

نعت شریف ... ... (نظم) ... کوثر اعظمی ۹

اسلامی جہاد اور اس کی حقیقت ... ... حبیب الرحمٰن ندوی ۱۰

عربی لغت پر کام ... ... مولانا محمد ثانی حسنی ... ۱۱

تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ ... ... یونس نگرامی ندوی ... ۱۲

چو مرگ آید تبسم بر لب اوست ... ... تسنیم الحسن صدیقی ندوی ... ۱۳

اسلام کا نظام تعلیم کیا ہو؟ ... ... محمد حمید اللہ متعلم دار العلوم ندوۃ العلماء ۱۴

شاید آپ یقین نہ کریں ... ... ایک ریلاح کی ڈائری سے ... ۱۵

دار العلوم حالات و واقعات ... ... ادارہ ۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شاید کہ ترے دل میں اُتر جائے مری بات

محمد الحسنی

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت ہماری اجتماعی زندگی کا سب سے کمزور پہلو ایک ایسی جرأت مندانہ اور بیدار مغز قیادت کا فقدان ہے جو جرم سر دوگم رہ سکتی ہو اور نازک سے نازک بحران میں بروقت فیصلہ اور صحیح رہنمائی کی صلاحیت رکھتی ہو، لیکن اسی کے ساتھ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اس قیادت کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھا جا سکتا، ہم کو ان ہی حالات میں اور ان ہی مجبوریوں کے ساتھ بہت کچھ کرنا ہوگا، قیادت کوئی ایسی چیز نہیں کہ جسکو باہر سے درآمد کیا جائے یا کسی دوکان سے خرید کر مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے، جو ہر قیمت پر اس کے طلبگار ہیں، وہ تو ان ہی حالات میں پیدا ہوگی، اور کچھ کرنے سے پیدا ہوگی، محض تماشائی بنے رہنے یا اپنے کو مجبور و بے بس سمجھ کر جو کچھ کیا جا سکتا ہے اس سے بھی جی چھوڑ بیٹھنے اور ہمت ہار دینے سے نہیں۔

"تعمیر حیات" کے ۱۴ اپریل ۱۹۶۴ء کے شمارہ میں عرض کیا گیا تھا کہ آج سب کچھ سوچا جا رہا ہے اور بہت سی تدبیروں پر غور ہو رہا ہے لیکن اگر نہیں غور ہو رہا ہے تو صرف اس پر کہ کیا ہمارے مسلم قائدین اور رہنما اس نازک دور خالص انسانی موقع پر بھی ایک ایسی متحدہ یا اجتماعی قیادت پر غور نہیں کر سکتے جو کم از کم ان اہم ترین اور فوری مسائل میں صحیح اور جرأت مندانہ رہنمائی کا فرض انجام دے سکے، اگر انفرادی طور پر کسی شخص کے لئے اس قوت فیصلہ کا حامل ہونا مشکل نظر آ رہا ہے، جس کی اکثر ایسے مواقع پر ضرورت پیش آتی ہے اور وہ اس فیصلہ و رہنمائی کے نتائج و مضرات کی تمام ذمہ داریوں کو قبول کرنے سے گریز کر رہا ہے تو ہمیں سمجھنا چاہیے کہ انفرادی ذمہ داری کی یہ مشکل اجتماعی قیادت میں پیش نہیں آئے گی، بلکہ اس میں تمام کاموں میں اور ذمہ داریوں میں سب یکساں شریک اور حصہ دار ہوں گے، مختلف النوع صلاحیتوں کی وجہ سے اس کی افادیت اور قوت میں اضافہ ہو جائے گا، مسلمانوں کی اکثریت اس سے وابستہ ہو جائے گی اور دل و جان سے اس کا خیر مقدم کرے گی اور اس کے تمام فیصلوں اور مشوروں میں اس کی ہمنوا ہوگی۔

لیکن ان سب باتوں کے حصول کے لئے دو چیزوں کی طرف خصوصیت سے توجہ دینے کی ضرورت ہے، یہ دو ایسے بازو ہیں جن کے بغیر ہمارے اجتماعی ڈھانچہ میں کوئی طاقت اور مسلمانوں کے لئے کوئی کشش نہ ہوگی، نہ دوسرے اس کا نوٹس لینے پر مجبور ہوں گے، نہ اہل حکومت کی نظر میں اس کا کوئی خاص وزن ہوگا۔

پہلی چیز، ٹھوس، عملی اور واضح طریقۂ کار ہے۔

اور دوسری چیز ہر فیصلہ اور عمل (ACTION) میں مسلمانوں کے جذبات کا لحاظ اور ان کے مزاج کی رعایت ہے۔

ٹھوس، واضح اور عملی طریقۂ کار سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ تجاویز، پروگرام اور مقاصد ایسے ہوں جن کا محسوس اور کھلا ہوا اثر اور جن کی عملیت و افادیت ہر شخص کو نظر آئے، غیر عملی اور ناممکن یا "بہت زیادہ" دشوار سمجھ کر ایسے تمام راستوں سے گریز کرنا نہ مصلحت میں داخل ہے، نہ اس کو حکمت عملی کہا جا سکتا ہے اور نہ حقیقت پسندی! جن چیزوں کو مسلم قائدین و رہنما علی وجہ البصیرت مسئلہ کا حقیقی اور اصل حل سمجھتے ہوں اور اس پر ان کا اتفاق ہو اور جن طریقوں اور اصولوں کو اختیار کئے بغیر ان کے نزدیک یہ مقصد پورا نہ ہو سکتا ہو، ان کو اختیار کرنا اور جرأت اور ہوشمندی کے ساتھ ان پر ثابت قدم رہنا ہماری قیادت کی کامیابی کی پہلی شرط ہے، اسوقت نہ ان چیزوں کی متعین طور پر نشاندہی ممکن ہے نہ مناسب، لیکن اس بات میں کوئی صاحب نظر اور صاحب بصیرت شبہ نہ کرے گا کہ موجودہ سنگین مسائل میں "گریز اور پہلو تہی" ہمارے ہاں اکثر کام کرتی رہی ہے اور یہ ذہن بن گیا ہے کہ کسی بدگمانی کا موہوم اندیشہ یا خطرہ بھی اس موقع پر مول لینا درست نہیں، ایسے تمام راستوں اور طریقوں سے مکمل پرہیز کیا اور کرایا گیا جن سے فکری حوصلہ مندی، صاف گوئی، جرأت اور غیرت وحمیت کی بو بھی آتی ہو یا جن سے کسی کے "آبگینۂ دل" کو ٹھیس لگ جانے کا اندیشہ ہو، اس میں یقیناً مستثنیات بھی ہیں لیکن مجموعی اور عمومی طور پر یہی ذہن اور رویہ پچھلے چند برسوں سے کام کر رہا ہے۔

لیکن اب اس اہم تاریخی وقفہ میں اس "شراب کہن" کے لئے محض شیشہ و جام کی تبدیلی کارگر نہ ہوگی، اب تو ایک نئی "شراب طہور" ہی اس تن آسانی اور جمود اور مایوسی و اضمحلال کو ختم کر سکتی ہے جو پورے ماحول کی فضا میں سرایت کر چکا ہے اور جس میں عوام و خواص کم و بیش سب گرفتار ہیں۔

دوسری چیز جو اس سے کم اہم نہیں ہے یہ ہے کہ مسلمانوں کے جذبات اور مزاج اور ان کی آرزوؤں اور امنگوں سے علیحدہ ہو کر ان کو غلط اور مضر سمجھ کر یا اس سے بے پروا ہو کر اور اسکی اہمیت کو نظر انداز کر کے کوئی کوشش زیادہ کامیاب اور دیرپا ہوگی اور وہ عوامی حمایت کی قوت سے محروم نئے خون اور نئے جوش عمل سے خالی اور امت کی عملی طاقتوں سے منقطع رہے گی۔

مسلمانوں کی اکثریت کو ساتھ لئے بغیر ان کی ترجمانی و نمائندگی اور ان کے حقوق کے لیے جدوجہد کسی صورت میں موثر اور وقیع نہیں ہو سکتی میری مراد یہ نہیں ہے کہ ان کے ہر قسم کے جذبات کی رعایت کی جائے، ان کی ہر خواہش کو تسلیم کیا جائے اور نتائج و اثرات سے آنکھیں بند کر لی جائیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ انکے جذبات اور انکے مزاج کو اکثر و بیشتر سامنے رکھا جائے، اپنے طرز عمل اور رویہ سے ان کو زیادہ سے زیادہ قریب کرنے کی کوشش کی جائے اور یہ محسوس کیا جائے کہ اس طرح کے کاموں میں قوم کے دھارے سے علیحدہ ہو کر یا اس سے غفلت برت کر قوت و اثر پیدا نہیں کیا جا سکتا، اور اگر کوئی اثر ظاہر بھی ہوا تو وہ وقتی اور ہنگامی ہوگا، دیرپا نہ ہوگا، اس کی جڑیں کمزور ہوں گی اور اس کی عمر مختصر ہوگی۔

ٹھوس، عملی اور واضح طریقۂ کار جس کی تشریح اوپر کی گئی ہے اور مسلمانوں کے جذبات و مزاج کو نظر انداز کئے بغیر جو بھی جدوجہد اور کوشش کی جائے گی وہ اس بات کی علامت ہوگی کہ ہم نے مسائل کو صحیح طور پر سمجھ لیا ہے اس کے لئے سنجیدگی سے کوشش کر رہے ہیں اور اس ملک کے سب مسلمانوں اور شریف انسانوں کے دل ہمارے ساتھ ہیں، وہ ہر مرحلہ میں ہمارے رفیق اور ہم نوا ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ اس کوشش اور جدوجہد سے ان کے مقاصد کی تکمیل ہوگی اور وہ دور آئیگا جب کسی انسان کو ناحق کسی پر ہاتھ اٹھانا ناممکن ہوگا اور مسلمان غنیمت کا مال نہ ہوں گے کہ جب وقت اور جہاں موقع ملے اُن کے خون سے اپنی پیاس بجھالی جائے اور قومی تعصب و نخوت کی تسکین کر لی جائے۔

اس قسم کی جدوجہد سے غیر مسلموں کو بھی یہ سمجھنے میں مدد ملے گی کہ اسی بات میں پورے ملک کا فائدہ ہے اور یہی چیز اس چمن کو آگ و خون سے بچا سکتی ہے جس کے دھبے ابھی تک اس بات کے گواہ ہیں کہ اس ملک کے باشندوں کو انسانیت و شرافت کا پہلا سبق بھی شاید یاد نہیں! اور وہ یہ بھی بھول چکے ہیں کہ انسان کسے کہتے ہیں اور اُس میں اور جنگل کے خونخوار اور بے شعور درندوں میں کیا فرق ہے اور اس کو اس دنیا میں رہنے اور انسان کہلانے کا حق کس بنیاد پر حاصل ہے؟

قرآن مجید کی ابدی اور آسمانی آواز اب بھی ہم سے مخاطب ہے اور مایوسی و بے یقینی کی ان مہیب ظلمتوں میں ہماری لئے روشنی کا کھلا ہوا راستہ متعین کر رہی ہے۔ اس روشنی میں ہم اس راستہ پر پورے اعتماد کے ساتھ اور بےخوف و خطر چل سکتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات اور کس کی ہو سکتی ہے؟

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ ان لاتخافوا ولاتحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن اولیاء کم فی الحیاۃ الدنیا وفی الآخرۃ ولکم فیہا ما تشتہی انفسکم ولکم فیہا ما تدعون نزلاً من غفور رحیم

ترجمہ: جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس بات پر ثابت قدم رہے۔ پے درپے اُترتے ہیں اُن پر فرشتے کہ نہ خوف کرو اور نہ غم کرو اور جنت کی خوشخبری قبول کرو جسکا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے حامی اور دوست ہیں اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور تمہارے لئے اس میں وہ سب ہے جن کی تمہارے نفسوں کو خواہش ہوتی ہے اور جو تم چاہتے اور طلب کرتے ہو۔ مہمانی ہے مغفرت کرنے والے رحم کرنے والے کی طرف سے!

ضروری

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کا مضمون "مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ" جو قسط وار شائع ہو رہا ہے۔ اس مرتبہ شامل اشاعت نہ ہو سکا، امید ہے کہ آئندہ اشاعت سے انشاءاللہ اسکا سلسلہ جاری ہو جائے گا۔

اس شمارہ میں ایک نئی کتاب "اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" کا ذکر ہے۔ یہ کتاب مولانا نے حال ہی میں تصنیف کی ہے اور اپنے موضوع اور مواد کے اعتبار سے ہر صاحب نظر اور صاحب فکر کے ہاتھ میں رہنے کے لائق ہے۔ جو لوگ مغربی تہذیب کی ان زبردست فتوحات سے فکرمند ہیں جو اس نے مشرقی ممالک میں پے درپے حاصل کیں اور اسکے عمل و حقیقی اسباب کا سراغ لگانا چاہتے ہیں اور یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کیا موقف ہے جو اسکے مقابلہ میں اختیار کیا جا سکتا ہے اور اسکی فتح کو شکست میں تبدیل کر سکتا ہے۔ انھیں یہ کتاب ضرور دیکھنا چاہئے۔

امیر المومنین
سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

امت کے ذمہ جو چند کام فرض یا باقی ہیں ان میں سے ایک امیرالمومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کی شایان شان تاریخ یا تذکرہ ہے، میرے محدود علم و مطالعہ میں کسی اسلامی زبان میں کوئی ایسی منصفانہ اور فاضلانہ کتاب نہیں جو اس امام برحق اور خلیفۂ راشد کی سیرت اور تاریخ کہی جاسکے اور جس میں ان کی عظیم شخصیت کو صحیح اور متوازن طریقہ پر پیش کیا گیا ہو اور افراط و تفریط اور غلو و عصبیت سے محفوظ رہتے ہوئے ان کے علمی و عملی کمالات اور ان کے عظیم الشان کارناموں کا جائزہ لیا گیا ہو اور خلفائے راشدین کی شہ نشین میں ان کا مقام متعین کیا گیا ہو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ کام بڑا مشکل اور نازک ہے۔ اور اس پل صراط سے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے بہ سلامت گذر جانا ہر تیز رفتار کا کام نہیں، لیکن اس راہ اعتدال کو قائم رکھنے کے لئے جو اہل سنت کا امتیاز ہے اور اس دور فتن کے لئے جس کی رہنمائی کا سامان سب سے زیادہ اس خلیفۂ راشد کی زندگی میں ہے اس کا پورا ہو جانا ضروری ہے، معلوم نہیں یہ سعادت کس وقت اور کس شخص کے لئے مقدر ہے اس موقع پر کسی سوانح حیات یا تاریخ و تذکرہ کی تحریر کا ارادہ اور محل نہیں، اجمالی طور پر ایک نقطۂ نظر کا اظہار ہے جو ایک مفصل سوانح یا تالیف کی بنیاد بن سکتا ہے۔

میرے نزدیک خلافت راشدہ اور اس کے ارکان اربعہ کی یہ تعبیر صحیح نہیں کہ وہ چند مختلف المزاج مختلف الاغراض، متبائن الاسالیب اشخاص کے اتفاق مجموعہ کا نام ہے اور یہ چاروں حضرات چار مختلف سیاستوں اور رجحانات کی نمائندگی کرتے ہیں، بخت و اتفاق نے ان کو ایک زنجیر خلافت و قیادت اسلامی میں جوڑ دیا ان میں سوائے ایمان و اخلاص اور صداقت اور حقانیت کے کوئی مشترک عنصر نہیں، جو لوگ زیادہ تاریخی بصیرت، اور دقت نظر کا اظہار کرنا چاہتے ہیں وہ خلافت راشدہ کو دو حصوں اور خلفائے راشدین کو دو گروپوں پر تقسیم کرتے ہیں، پہلے دور کا امام صدیق اکبر اور فاروق اعظم (رضی اللہ عنہما) کو مانتے ہیں، اور دوسرے دور کا امام عثمان غنی اور علی مرتضٰی (رضی اللہ عنہما) کو کہتے ہیں، میرے نزدیک یہ تقسیم جسارت سے خالی نہیں۔ میرے نزدیک یہ چاروں حضرات فرداً فرداً خلافت نبوی کا مظہر اتم اور مصداق کامل تھے، ذاتی فضائل و مناقب اور ان کی بنا پر تفاوت درجات کو الگ کر کے خلافت راشدہ کا مزاج اور اس کی روح ان میں سے ہر ایک میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی۔

خلافت راشدہ کیا ہے؟ خلافت راشدہ نہ اسلامی مملکت کی وسعت کا نام ہے، نہ کثرت فتوحات کا، نہ کامیابیوں کے تسلسل کا، اگر معیار یہی ہے تو پھر ولید بن عبدالملک اور ہارون الرشید کو سب سے بڑا خلیفۂ راشد ماننا پڑے گا، خلافت راشدہ نام ہے نبی کے مزاج اور طرز زندگی میں نیابت کاملہ کا، نبوت کا امتیازی مزاج کیا ہے؟ ایمان بالغیب کی قوت، اطاعت الٰہی کا جذبۂ صادق و کامل غیب پر شہود، احکام پر مصالح و فوائد کو قربان کرنا، دنیا پر آخرت اور غنا پر فقر و زہد کو ترجیح دینا، اسباب دنیا سے کم سے کم متمتع ہونا اور دوسروں کو زیادہ سے زیادہ متمتع کرنے کی کوشش کرنا، یہ وہ اجمال ہے جس کی تفصیل پوری سیرت محمدی ہے اور جس کے مظاہر بدر و خندق کے معرکے تبوک کا سفر، حدیبیہ کی صلح، مکہ کی فتح اور ۲۳ برس کی وہ زاہدانہ زندگی ہے جس کا اول شعب ابی طالب کی اسیری اور جس کا اخیر زندگی کی وہ آخری شب ہے جس میں گھر کا چراغ بھی نہ تھا اور زرہ نبوی تیس صاع جو کے عوض ایک یہودی کے یہاں رہن تھی۔

اس معیار سے ان خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم وارضاہم کی زندگی اور دور خلافت، خلافت راشدہ کا مکمل نمونہ تھا جس میں نبیؐ کے مزاج اور طرز زندگی کی پوری نمائندگی تھی۔ واقعہ ارتداد میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بے نظیر صلابت و استقامت اور فتنۂ عالم آشوب میں مٹھی بھر جماعت صحابہؓ کے ساتھ پورے ملک عرب سے جنگ کرنے کا عزم اور فیصلہ پھر اس عین نازک وقت میں جبکہ ایک ایک سپاہی جیش کا قائم مقام تھا اور اسلام کا مرکز کل (مدینہ طیبہ) دشمنوں کے نرغہ میں تھا جیش اسامہؓ کو شام کی جانب روانہ کر دینے اور منشاء نبوی کی تکمیل پر حالات و تغیرات کا لحاظ کئے بغیر اصرار، پھر مسلمانوں کی دولت و حیات کی اسی فیصلہ کن گھڑی میں دنیا کی دو عظیم ترین شہنشاہیوں (روم الکبریٰ اور فارس العظمیٰ) میں جنگ کا سلسلہ چھیڑ دینا "ایمان و اطاعت" کا وہ واقعہ ہے جس کی نظیر انبیاء اور ان کے خلفائے اولوالعزم کی تاریخ میں ہی مل سکتی ہے اسی کے ساتھ زمانۂ خلافت و فتوحات میں ایسی زاہدانہ زندگی گزارنا جس میں کہ بیت المال کے روزینہ سے منہ کا ذائقہ تبدیل کرنے اور بچوں کا منہ میٹھا کرنے کی بھی گنجائش نہ تھی اور پھر انتقال کے وقت اس پوری رقم کو جو زمانۂ خلافت میں مسلمانوں کے فیصلے سے بیت المال سے اپنی گذر اوقات کے لئے لی تھی ذاتی سامان فروخت کر کے بیت المال کو واپس کر دینے اور اس پورے سامان کو جس کا خلافت کے دور میں اضافہ ہوا تھا، بیت المال میں منتقل کر دینے کی وصیت زہد و ایثار کے ایسے واقعات ہیں جن کی نظیر شاید انبیاء علیہم السلام کی زندگی کے علاوہ کہیں اور نہ مل سکے، اور جو اسی اصل کا "ظل" ہے جس کی خلافت اولیٰ کا شرف انکو حاصل تھا۔

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ کا روم و شام کی جنگوں اور یرموک و قادسیہ کے معرکوں میں افواج کی تعداد و اسلحہ کے بجائے اللہ کی فتح و نصرت اور اسلامی افواج کے اعمال و اخلاق اور تعلق باللہ پر اعتماد، یرموک کے معرکے کے موقع پر جس سے سخت معرکہ تاریخ اسلام میں کم پیش آیا ہوگا اسلام کے مظفر و منصور قائد اور اسلامی افواج کے محبوب و معتمد سپہ سالار خالد بن الولید کو اسلامی افواج کی قیادت علیا سے معزول کر دینا اور ابوعبیدہ جیسے نرم خو نرم مزاج کو قائد مقرر کرنا، عظیم ترین عمال حکومت کا بے لاگ احتساب، جبلہ بن الایہم جیسے سردار قوم اور بادشاہ پر ایک غریب فزاری کے مقابلہ و معاملہ میں قصاص جاری کرنا، ایسی ایمان و اطاعت کی مثالیں ہیں جو نبوت کا مزاج اور خلافت راشدہ کا طغرائے امتیاز ہے پھر ان کا زہد و احتیاط جس نے عام الرمادہ (قحط عام) میں ان کو ہر ایسی غذا سے باز رکھا جو عام مسلمانوں اور ان کی وسیع مملکت کی عام آبادی کو میسر نہیں تھی یہاں تک کہ لوگوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر اس قحط نے طول کھینچا تو وہ بچ نہیں سکیں گے، اور ان کی زاہدانہ زندگی اور تقشف جس نے ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر لی ہے اسی زاہدانہ زندگی کا پرتو ہے جس کی اصل و ظل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلیفہ اول کی نیابت ان کے حصے میں آئی تھی۔ اسی طرح وہ ثبات و استقامت اور وہ عزم و یقین جس کا اظہار حضرت عثمانؓ نے بلوائیوں کی شورش اور ترک خلافت

کے مقابلہ کے موقع پر کیا، اور بالآخر مظلومانہ شہادت پائی پھر اسباب غنا کی فراوانی و موجودگی میں اپنی ذاتی زندگی میں اس زہد و ایثار کا اظہار جو ان کے تین نامور پیشرؤوں کی میراث تھی، حکومت کے مہمانوں اور عام مسلمانوں کو امیرانہ اور پرتکلف کھانا کھلانا اور خود گھر میں جاکر زیتون کے تیل سے روٹی کھانا وہ پیرہن خلافت ہے جس کی خلعت رسول اللہ نے ان کو پہنائی اور جس کے اتارنے سے انھوں نے صاف انکار کردیا۔ خلافت نبوت کا یہی مزاج اور زندگی کا یہی انداز اسی سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی اور ابن عم رسول کی زندگی میں پورے طور پر نمایاں و روشن ہے، اس طلائے خالص، اور اس جوہر اصلی پر جمل اور صفین کی جنگوں کا جو عارضی غبار پڑ گیا ہے۔ اگر آپ اس کو ہٹا دیں تو اس کو ہر آبدار کی چمک دمک نگاہوں کو خیرہ کرے، اور خلافت نبوت کے وہ خط و خال نظر آجائیں جو اس کے پیشروؤں اور زندگی کے رفیقوں میں مشترک ہیں، حکم اور اصول پر مصلحت و سیاست کو قربان کرنا، خلافت کے بقاء و استحکام کے لئے ان تمام طریقوں اور تدبیروں کے اختیار کرنے سے انکار کردینا جو اہل حکومت اختیار کرتے ہیں لیکن خلافت نبوت کے امین کے لئے ان کی گنجائش نہیں، عمال حکومت اور اراکین مملکت میں سے ایسے اصحاب کو ان کے عہدوں سے سبکدوش کردینے میں تامل نہ کرنا جو اس کی نظر میں ورع و تقویٰ کے اس بلند معیار پر نہیں جس پر رسول اور اس کے خلفاء چھوڑ کر گئے ہیں، اور جو اس نظام خلافت کے شایانِ شان ہے۔ اصول و عقیدہ کی خاطر اور خلافت کو "منہاج نبوت" پر باقی رکھنے کے لئے ان تمام ناخوشگوار فرائض کو انجام دینا جو اس کے لئے سوہانِ روح تھے لیکن عقیدہ اور مومن کے یقین کا تقاضا اور وقت کا مطالبہ تھا، خلافت کی پوری مدت کو ایک مسلسل مجاہدہ، ایک مسلسل کشمکش، ایک مسلسل سفر میں گذارنا لیکن نہ تھکن نہ مایوس ہونا نہ بددل ہونا، نہ شکایت کرنا، نہ راحت کی طلب، نہ محنت کا شکوہ، نہ دوستوں کا گلہ، نہ دشمنوں کی بدگوئی، مدح و ذم سے بے پروا، جان سے بے پروا، انجام سے بے پروا، نہ ماضی کا غم، نہ مستقبل کا اندیشہ، فرض کا ایک احساس مسلسل اور سعی کا ایک سلسلہ غیر منقطع دنیا کا سا جبر، سورج اور چاند کی سی پابندی، ہواؤں اور بادلوں کی سی فرض شناسی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ذوالفقار ان کے ہاتھ میں سرگرم و بے زبان ہے اسی طرح وہ کسی اور ہستی کے دستِ قدرت میں سرگرم عمل اور شکوہ و شکایت نا آشنا ہیں ایمان و اطاعت کا وہ مقام ہے جو صدیقین ہی کو حاصل ہوتا ہے، لیکن اس کا پہچاننا اور اس کی نزاکتوں اور مشکلات سے واقف ہونا بڑے صاحب نظر اور صاحب ذوق کا کام ہے، اس

لئے ان کی زندگی اور ان کی عظیم شخصیت کا پہچاننا ایک بڑا امتحان ہے اور اہل سنت کا ایک امتیاز ہے۔ اس ایمان بالغیب اور اس جذبۂ اطاعت کا ظہور جس ماحول اور جن ناخوشگوار واقعات کی شکل میں ہوا، وہ اس ماحول اور ان واقعات سے بہت مختلف تھے جن میں ان کے پیشرو خلفاء کے ایمان بالغیب اور جذبۂ اطاعت کا اظہار ہوا تھا، اس لئے بڑے بڑے مورخین اور اہل علم اور مدعیان فکر و نظر بھی اس کی حقیقت سمجھنے سے قاصر رہے وہ جس کو داخلی فتنے اور مسلمانوں کی خانہ جنگی کہتے ہیں، ہم ان میں حضرت علیؓ کو معذور بلکہ ماجور پاتے ہیں۔ ہم اگرچہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ فریق مقابل (اہل شام) ایک اجتہادی غلطی کا مرتکب تھا، اس لئے اس کی تضلیل و تفسیق ہرگز درست نہیں، لیکن ہم یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ حضرت علی نے اپنی خلافت میں جو کچھ کیا وہ ایمان و اطاعت کے جذبہ اور ادائے فرض کی روح کے ساتھ کیا اس لئے یہ عمل ان کے لئے تقرب و رفع درجات کا باعث تھا۔

پھر ان کی زاہدانہ زندگی خلافت نبوت کا پرتو کامل اور خلافت صدیقی و خلافت فاروقی کا تتمہ تھی۔ یہ فقر و زہد، تقشف و قناعت کی ایسی زندگی تھی کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے زہاد اس میں ان کی ہمسری نہیں کرسکتے تھے، اور بالآخر ان کے منتخب عمال حکومت اور ان کے قریب ترین عزیز بلکہ حقیقی بھائی عقیل بن ابی طالب بھی ان کا ساتھ نہ دے سکے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فرمائش و اصرار سے ان کے ایک رفیق قدیم ضرار بن ضمرہ نے اس کی جو دل آویز تصویر کھینچی ہے وہ نہ صرف تاریخ میں بلکہ دنیا کے ادب اور انسانی مرقع میں ایک حسن کا اضافہ کرتی ہے وہ فرماتے ہیں۔

"بڑے بلند نظر بڑے عالی ہمت، بڑے طاقتور جچی تلی گفتگو فرماتے حق و انصاف کے مطابق فیصلہ کرتے، زبان و دہن سے علم کا چشمہ ابلتا، ہر ہر ادا سے حکمت ٹپکتی دنیا اور بہار دنیا سے وحشت تھی، رات اور رات کی تاریکی میں خوش رہتے، آنکھیں پرآب، ہر وقت فکر و غم میں ڈوبے ہوئے، رفتار زمانہ پر متعجب، نفس سے ہر وقت مخاطب کپڑا وہ مرغوب تھا جو معمولی اور موٹا جھوٹا ہو، غذا وہ مرغوب تھی جو غریبانہ اور سادہ ہو، کوئی امتیازی شان پسند نہیں کرتے تھے جماعت کے ایک فرد معلوم ہوتے تھے ہم سوال کرتے تو جواب دیتے، ہم حاضر خدمت ہوتے تو سلام اور مزاج پرسی میں پہل کرتے، ہم دعوت کرتے تو دعوت قبول فرماتے، لیکن اس تقرب و مساوات کے باوجود رعب کا یہ عالم تھا کہ بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی اور سلسلۂ سخن کا آغاز کرنا مشکل ہوتا اگر کبھی مسکراتے تو دانت موتی کی لڑی معلوم ہوتے

دینداروں کی عزت اور مسکین سے محبت کرتے تھے، لیکن اس تواضع و مسکنت کے باوجود، کسی طاقتور اور دولت مند کی یہ مجال نہ تھی کہ ان سے غلط فیصلہ کرانے والے یا ان سے کوئی رعایت حاصل کرے، کمزور کو ہر وقت ان کے عدل و انصاف کا بھروسہ تھا، میں قسم کھاکر کہتا ہوں کہ میں نے ایک شب ان کو ایسی حالت میں دیکھا کہ رات نے اپنی ظلمت کے پردے ڈال دیئے تھے اور ستارے ڈھل چلے تھے۔ آپ اپنی مسجد کے محراب میں کھڑے تھے، داڑھی مٹھی میں تھی اس طرح تڑپ رہے تھے کہ جیسے سانپ نے ڈس لیا ہو، اس طرح رو رہے تھے جیسے دل پر کوئی چوٹ لگی ہو۔ اس وقت میرے کانوں میں ان کے یہ الفاظ گونج رہے ہیں "اے دنیا! اے دنیا! کیا تو میرا امتحان لینے چلی ہے اور مجھے بہکانے کی ہمت کی، اداس ہوجا کسی اور کو فریب دے، میں نے تو تجھے تین طلاقیں دی ہیں جن کے بعد رجعت کا کوئی سوال نہیں، تیری عمر کوتاہ، تیرا عیش بے حقیقت تیرا خطرہ زبردست، ہائے زادراہ کس قدر کم ہے، سفر کتنا طویل اور راستہ کتنا وحشت ناک ہے۔"

درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام میں جو ایمان بالغیب اور ایمان بالآخرۃ پیدا کیا ہے اس نے ان کے ذہن و دل، سیرت و اخلاق، زندگی اور کردار اور معیشت و سیاست کو ایک نئے سانچے میں ڈھال دیا تھا، عسر و یسر، کامیابی و ناکامی، فقر و فاقہ اور امارت و حکومت میں اس کا بے تکلف اظہار ہوتا تھا۔ اس ایمان کے سلسلۂ معجزات کی سب سے طاقتور اور سب سے نمایاں و ممتاز کڑیاں خلفائے راشدین ہیں وہ اس معنی میں خلفائے راشد ہیں کہ نبوت کا یہ مزاج اور نبی کی یہ میراث ان کی طرف منتقل ہوئی اور انھوں نے اس مزاج اور منہاج میں نبیؐ کی کامل نیابت کی نا فہم یہ سمجھے کہ یہ بھی کسی بادشاہ وقت یا حاکم شہر کی نیابت کا مسئلہ ہے اور سوال ان نوائد کے کسی شخص اور اس کے خاندان متعلقین کے متمتع و منتفع ہونے کا ہے۔ جو اس کی مسند پر بیٹھے گا اور ساری کشمکش اس بات کی تھی، حالانکہ سوال نبی کے فرائض انجام دینے اور اس کی سی زہد و تقشف اور ایثار و قربانی کی زندگی گزارنے، خلق خدا کو زیادہ سے زیادہ دینے اور حظوظ دنیا اور سامان معیشت میں سے کم سے کم لینے، زیادہ سے زیادہ محنت کرنے اور کم سے کم راحت و فراغت حاصل کرنے کا تھا اور اس میں کیا شبہ ہے کہ خلفائے راشدین نے یکے بعد دیگرے اس حق کو ادا کرکے دکھایا کہ نبوت خلافت الٰہی ہے اور خلافت راشدہ خلافت نبوی ہے۔ اخلاق و صفات الٰہی میں بڑا درجہ

بقیہ ص ۱۲ پر

اپنے دل کو مخلوق کے ڈر سے آزاد کر لو

پھر کوئی طاقت تمھیں نقصان نہیں پہونچا سکے گی

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کا ایک خطبہ:

... ... تو کچھ بھی نہیں نہ تیرا اسلام ہی صحیح ہوا جو بنیاد ہے اور جس پر تعمیر ہوتی ہے اور نہ تیری شہادت (توحید و رسالت) تام ہوتی ہے۔ تو کہتا ہے کہ کوئی معبود نہیں بجز اللہ کے مگر جھوٹ کہتا ہے کیونکہ معبودوں کا ایک بڑا گروہ تیرے قلب میں موجود ہے۔ اپنے بادشاہ اور اپنے میر محلہ سے تیرا ڈرنا تیرے معبود بنے ہوئے ہیں اپنی کمائی اپنے نفع اپنی طاقت اپنی قوت اپنی سماعت اپنی بصارت اور اپنی گرفت پر تیرا اعتماد کرنا تیرے معبود بنے ہوئے ہیں۔ تیرا نفع اور نقصان اور عطا اور منع میں مخلوق پر نظر پڑنا تیرے معبود بنے ہوئے ہیں۔ مخلوق میں بہتیرے لوگ ہیں جو اپنے قلوب سے ان چیزوں پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں اور ظاہر یہ کرتے ہیں کہ ان کا بھروسہ خدا پر ہے ان کا حق تعالےٰ کو یاد کرنا محض عادت ہے اور وہ بھی صرف زبانوں سے نہ کہ قلوب سے اور جب اسکی جانچ کی جاتی ہے تو بھڑک اٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو ایسا کیوں کہا جاتا ہے؟ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کل کو ساری فضیحتیں کھل جائیں گی اور مخفیات ظاہر ہوجائیں گے تجھ پر افسوس جب تو کچھ کہتا ہے۔ تو اپنی بات کی جانچ کرتا ہے ـــــ لا الٰہ ـ کی نفی ہے اور ـ الا اللہ کی اثبات ہے کہ معبودیت اللہ ہی کے لئے ہے، کسی غیر کے لئے نہیں۔ پس جس وقت بھی تیرے قلب نے اللہ عزوجل کے سوا کسی شے پر اعتماد کیا تو معبودیت کو حق تعالیٰ کے لئے مخصوص کرنے میں تو جھوٹا بن گیا۔ اور وہی تیرا معبود بنا جس پر تونے اعتماد کیا۔ ظاہر کا کچھ اعتبار نہیں محض زبانی کلمہ تو منافق بھی پڑھتے تھے۔ قلب ہی ہے جسکے ساتھ ایمان کا تعلق ہے وہی موحد ہے وہی مخلص وہی متقی وہی پرہیزگار۔ وہی زاہد وہی صاحب یقین وہی عارف وہی عاقل اور وہی سردار۔ باقی سب اسکے لشکر اور ماتحت ہیں۔ جب تو لا الٰہ الا اللہ کہے تو اول اپنے قلب سے کہہ اس کے بعد زبان سے اور اسی پر توکل کر اور اسی پر اعتماد اس کے سوا کسی پر بھی بھروسہ مت رکھ اپنے ظاہر کو شریعت کے ساتھ مشغول رکھ اور باطن کو حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ بھلائی اور برائی کے پیدا کرنے والے کے ساتھ مشغول ہو جس نے اللہ

کو پہچان لیا وہ اس کا مطیع ہوا۔ اس کی زبان اس کے حضور میں گونگی بن گئی اور وہ اس کے اور اس کے نیکوکار بندوں کے سامنے متواضع بن گیا۔ اس کا فکر و غم اور گریہ المضاعف ہوگیا اس کا خوف اور خشیہ بڑھ گیا۔ اس کی حیا زیادہ ہوگئی اپنی گزشتہ تقصیر پر اس کی پشیمانی بڑھ گئی اور جو کچھ معرفت و علم اور قرب ملا ہے۔ اس کے جاتے رہنے کا اندیشہ دو گونہ بڑھ گیا اس لئے کہ حق تعالےٰ فعال لما یرید ہے جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ وہ کیا کرتا ہے۔ اور مخلوق سے بازپرس ہوتی ہے۔ عارف دو نگاہوں کے درمیان متردد رہتا ہے۔ کبھی تو اپنی گذشتہ کوتاہی و بے حیائی و نادانی و بے باکی پر نگاہ کرتا ہے تو شرم کے مارے پگھلا جاتا اور مواخذہ کے اندیشہ سے گھلا جاتا ہے اور کبھی آئندہ کی حالت پر نگاہ کرتا ہے کہ دیکھئے مقبول ہوتا ہے یا مردود؟ اور جو کچھ عطا ہوا ہے وہ چھنتا ہے یا اپنے حال پر باقی رکھا جاتا ہے اور دیکھئے قیامت کے دن ایمان والوں کی معیت نصیب ہوگی یا کافروں کی؟ اور اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میں تم سب سے زیادہ حق تعالےٰ کو پہچاننے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والا ہوں۔ عارفین کے گروہ میں شاذ و نادر وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو بجائے خوف کے امن نصیب ہوتا ہے کہ جو کچھ علم خداوندی میں ان کے لئے مقدر ہوا ہے وہ پڑھ کر ان کو سنا دیا جاتا ہے کہ وہ اپنا انجام اور وہ انعام جس کی طرف ان کو لوٹ کر جانا ہے۔ معلوم کر لیتے ہیں۔ ان کا باطن اس کو پڑھ لیتا ہے جو اس کے لئے لوح محفوظ میں مسطور ہے اس کے بعد وہ قلب کو اس سے آگاہ بنانا اور پوشیدہ رکھنے کی اس کو تاکید کردیتا ہے کہ نفس اس پر مطلع نہ ہونے پائے۔ اس امر کی ابتدا تو اسلام لانا۔ حکم کی تعمیل کرنا ممنوع سے بچنا اور آفتوں پر صبر کرنا ہے اور انتہا ماسوی اللہ سے رغبت کا ہٹا لینا ہے اور یہ کہ اس کے نزدیک سونا اور مٹی، مدح اور ذم عطا اور منع جنت اور دوزخ نعمت اور نقمت۔ تونگری اور افلاس۔ مخلوق کا وجود اور ان کا عدم سب یکساں ہوجائے۔ پس جب یہ بھی تام ہوجاتا ہے۔ تو اب سب کے بعد اللہ ہی اللہ ہے کہ بجز اس میں فنا اور مستغرق رہنے کے اور کوئی کام ہی نہیں اس کے بعد حق تعالےٰ کی طرف سے مخلوق پر اس کے سردار اور حاکم ہونے کا فرمان شاہی اس کے پاس آجاتا ہے جو کوئی بھی اس کو دیکھتا ہے۔ وہ حق تعالیٰ کی ہیبت اور اس کے نور کی وجہ سے جو اسکا لباس بنا ہوا ہے نفع اٹھاتا ہے۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو عطا فرما دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔

"فیوض یزدانی"

ترجمہ (مولانا عاشق الٰہی میرٹھی)

ایک نئی اور معرکہ آرا تصنیف

مسلم ممالک میں

اسلامیت اور مغربیت

کی کشمکش

مسلم ممالک میں مغربیت اور اسلامیت کی کشمکش کی مستند تاریخ،

مغربیت کے رجحان کے آغاز و ارتقا کی کہانی

مختلف ممالک میں تجدد کی تحریکوں کا تاریخی جائزہ۔

انکے اسباب و محرکات اور ان کا علاج

مغربی تہذیب کے بارے میں مسلم ممالک کے صحیح رویہ کا تعین۔

اور ـــ عہد حاضر میں انکے کردار و پیغام کی تشریح۔

تالیف

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

آفسٹ طباعت، نظر افروز سرورق

قیمت پانچ روپے

ناشر

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

بعض رائج الوقت اصطلاحیں اور ان کا پس منظر

از مولانا شاہ معین الدین ندوی

حضرت علیؓ کا ایک مشہور تاریخی فقرہ ہے "کلمة حق ارید بہا الباطل" یعنی بات سچی ہے مگر اس سے باطل مراد لیا گیا ہے، یہ مقولہ آج بھی صادق آتا ہے اس زمانہ میں بہت سی ایسی اصطلاحیں رائج ہو گئی ہیں جو اپنے اصل مفہوم اور مقصد کے لحاظ سے تو صحیح ہیں لیکن ان کو بول کر ان سے غلط معنی مراد لئے جاتے ہیں۔ ان اصطلاحوں میں سب سے رائج الوقت، تعصب تنگ نظری، عدم رواداری فرقہ پروری اور رواداری ہیں، ان معنوں میں بلاشبہ یہ چیزیں نہایت مذموم ہیں کہ اپنے مذہب اور ہم مذہبوں کے سوا دوسرے مذاہب اور ان کے ماننے والوں کو برا سمجھا جائے ان سے نفرت اور ان کی بدخواہی کی جائے لیکن آج کل کی اصطلاح میں مذہبی عقائد میں رسوخ و پختگی اور اس پر استقامت کا نام تعصب، ہر قسم کے عقائد و خیالات کو خواہ وہ کتنے ہی متضاد ہوں، صحیح اور یکساں نہ ماننے کا نام تنگ نظری اور عدم رواداری اور ان سب کو حق اور صحیح تسلیم کرنے کا نام رواداری اور اپنی مذہبی و ملی خصوصیات کے تحفظ اور اس پر قائم رہنے کا نام فرقہ پروری ہو گیا ہے اور اس کا ملزم زیادہ تر اسلام اور مسلمانوں کو بنایا جاتا ہے اس لئے اس کا تجزیہ کر کے اصل حقیقت کا پتہ چلانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

درحقیقت کسی عقیدے اور نظریۂ حیات کی صداقت اور افادیت پر یقین کامل کا جس کو مذہبی اصطلاح میں ایمان کہتے ہیں، یہ لازمی نتیجہ ہے کہ صرف اسی عقیدے اور نظریۂ حیات کو حق، انسانی زندگی کے لئے سب سے زیادہ مفید اور قابل قبول سمجھا جائے اور اس کے سوا تمام دوسرے عقائد کو غلط، غیر مفید بلکہ مضر سمجھا جائے اور ان سے کامل علیحدگی اختیار کی جائے، یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ انسان ایک عقیدہ اور نظریۂ حیات کی صداقت اور افادیت پر یقین بھی رکھے اور اس کے متقابل اور متضاد عقائد کو بھی صحیح اور قابل قبول سمجھے، اور یہ اصول نہ صرف مذہبی عقائد بلکہ دنیاوی اور مادی امور و معاملات میں بھی کارفرما ہے، اور اسی پر ساری دنیا کا عمل ہے۔ مثلاً یورپ اور امریکہ جمہوریت اور سیکولرزم کی افادیت پر عقیدہ رکھتے ہیں اور اس کو سب سے بہتر نظام حکومت سمجھتے ہیں، اس لئے وہ اس کے علاوہ اور کسی نظام کو بھی قابل قبول نہیں سمجھتے اور جمہوریت کو ساری دنیا میں جاری کرنا چاہتے ہیں۔ یہی نقطۂ نظر کمیونزم کے بارے میں کمیونسٹوں کا ہے بلکہ وہ اس بارے میں اور بھی زیادہ سخت ہیں، ان کو جبر و قوت سے بھی اپنے نظریۂ حیات کو پھیلانے میں تامل نہیں ہے۔ چنانچہ ان دونوں کی کشمکش نے انسانی خدمت کے نام پر پوری دنیا کو مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ آج سے چند سال پہلے قومی افتخار اور سربلندی کے لئے جرمنی اور اٹلی میں ڈکٹیٹر شپ کا عروج تھا، اور اس کے لئے انھوں نے بڑی بڑی حکومتوں کو زیر و زبر کر ڈالا، اپنے پورے ملک و قوم تک کو جنگ کی آگ میں جھونک دیا اور معلوم ہوتا تھا کہ ڈکٹیٹر شپ کا سیلاب پورے یورپ کو بہالے جائے گا اور جمہوریت کا نام و نشان مٹ جائے گا۔

اس لئے اگر کسی عقیدے پر رسوخ و استقامت اور اس کے سوا دوسرے عقائد کو غلط سمجھنے کا نام تعصب و تنگ نظری اور عدم رواداری ہے تو اس کا مجرم تنہا مذہب ہی کیوں ہے، اور رواداری کا سارا وعظ اسی کے لئے کیوں مخصوص ہے، دنیاوی نظاموں کا فائدہ تو زیادہ سے زیادہ اسی مادی دنیا تک محدود ہے، اس کے مقابلہ میں ایک صاحب مذہب کا تو اس پر ایمان ہوتا ہے کہ سارے عالم کی دینی و دنیوی فلاح و سعادت اس کے مذہب سے وابستہ ہے اس لئے اس پر استقامت نہ صرف اس کی ذات اور اس کے ہم مذہبوں کے لئے ضروری ہے بلکہ دوسروں کو اس کی دعوت دینا اس کا انسانی فرض ہو جاتا ہے۔

ممکن ہے یہ مثالیں ان لوگوں کی نگاہ میں کھٹکیں جو دین و دنیا اور مذہب و سیاست کو جدا سمجھتے ہیں، اس لئے ان کے نزدیک مذہب پر دنیاوی نظاموں کا قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ لیکن معترضین زیادہ تر اسلام اور مسلمانوں ہی کو تعصب و تنگ نظری وغیرہ کا طعنہ دیتے ہیں، اس لئے ہم کو اسلام ہی کے نظام حیات کو سامنے رکھ کر بحث کرنا ہے۔ اسلام میں دین و دنیا اور مذہب و سیاست جدا نہیں ہے، بلکہ ان پر سب حاوی ہے معترضین کی سب سے بڑی غلطی یہی ہے کہ وہ اسلام کو بھی ان مذاہب پر قیاس کرتے ہیں جن میں مذاہب کا دائرہ صرف عبادت گاہوں تک محدود ہے، اور ان کو انسان کی دنیاوی اور مادی زندگی اور دنیاوی معاملات سے کوئی بحث نہیں، اسی لئے اسلام پر اعتراض کرتے ہیں، اگر وہ اسلام کی جامعیت کو سمجھ لیں تو بہت کم اعتراض کا موقع باقی رہ جاتا ہے۔

یہی حال فرقہ پروری کی اصطلاح کا ہے، دوسرے فرقوں سے نفرت اور ان کی بدخواہی بلاشبہ مذموم ہے جس کی کوئی مذہب اجازت نہیں دیتا، لیکن اپنی مذہبی و ملی خصوصیات اور اپنے حقوق کا تحفظ اور اپنے فرقہ کی جائز حمایت ... ... تو ہر فرقہ کا قانونی اور اخلاقی حق ہے، لطف یہ ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کو فرقہ پروری کا طعنہ دیتے ہیں، اس کے سب سے بڑے مجرم وہی ہیں، چنانچہ یورپ کی کوئی قوم بھی اپنی تہذیبی خصوصیات کا ایک جزو بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہے، بلکہ ساری دنیا میں اس کو پھیلانا چاہتی ہے، ہندوستان اپنی ہزاروں سال پرانی اور بوسیدہ تہذیب تک کو زندہ کرنے میں لگا ہوا ہے، اگر آج بھی دنیا کے کسی حصہ میں عیسائیوں پر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو پورا یورپ اس کی مدد کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے بلکہ ان کی بے جا اور غلط شکایتوں پر دوسری قوموں اور حکومتوں پر فوج کشی تک کرنے میں بھی دریغ نہیں کرتا، اور آج یورپ کی بڑی بڑی حکومتیں ساری دنیا کے عیسائیوں کی نگہبان ہیں، ہندوستان کی فرقہ پروری تو روزانہ کا تجربہ ہے، ہندوستان کے مسلمان یہاں کے شہری ہیں، اور دستوری لحاظ سے ان کو وہی حقوق حاصل ہیں جو اکثریت کو حاصل ہیں لیکن عملاً ان کے ساتھ اجنبیوں کے جیسا سلوک ہے، ان پر آئے دن مصائب ٹوٹتے رہتے ہیں لیکن زبانی جمع خرچ کے علاوہ ان کے ازالہ کی کوئی موثر تدبیر نہیں کی جاتی، بلکہ اب تو زبانی ہمدردی بھی ختم ہوتی جاتی ہے اور کسی کی زبان پر ان کی مظلومیت کا ذکر تک نہیں آتا اور پاکستان کے ہندوؤں کی مظلومیت پر پورا ہندوستان چیخ اٹھتا ہے۔ (بقیہ ص ۴۴ پر دیکھئے)

موجودہ دنیا میں اسلام کا کردار

از: محمد قطب
ترجمہ: محمد اسلم ندوی

اسلام حریت کا مذہب ہے، وہ ہر اس طاقت سے چھٹکارا دلانا چاہتا ہے جو انسانیت کو بھلائی کی راہ پر چلنے سے روکے، وہ ان تمام حاکموں کی حکومت سے جو انسان کو اپنے مفاد اور اپنے اغراض کے لئے ڈراتے اور ذلیل کرتے ہیں اور انسان کی عزت و شرافت اور جان و مال سے کھیلنا چاہتے ہیں۔ نکال کر اللہ تعالیٰ کی حکومت و نگرانی میں دینا چاہتا ہے اور اس بنیادی حقیقت کو پوری طرح واضح کر دینا چاہتا ہے کہ حقیقی ملکیت اور حکومت ... اسی خدائے واحد کی ذات تک محدود ہے اور تمام انسان اسی کے محکوم اور بندے ہیں، کوئی کسی کو نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان پہونچا سکتا ہے۔ اس یقین کے بعد انسان اپنے جیسے بے بس انسان سے مرعوب نہیں ہوتا، اور اچھی طرح سمجھتا ہے کہ تمام لوگ اسی کی طرح خدائے واحد کے بندے اور نظام قدرت کے پابند ہیں۔

اسلام ان تمام خواہشات سے آزادی کا علمبردار ہے جو مہلک ہتھیار کا کام دیتی ہیں اور جس سے انسان اور انسانیت کی ذلت کے راستے کھلتے ہیں۔ وہ ان قوتوں کو زیادہ سے زیادہ مضمحل کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ انسان ان غلط عناصر کے خلاف زبردست جنگ کر سکے اور ان کے مقابلے میں کسی طرح کمزور نہ پڑے۔

قل ان کان آباءکم وابناءکم واخوانکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یأتی اللہ بامرہ واللہ لا یھدی القوم الفاسقین

اسلام تمام نفسانی خواہشات کو ایمان اور خداوند تعالیٰ سے محبت اور بھلائیوں اور سچائی کے مقابلہ میں لاکر اللہ تعالیٰ کی محبت کو ترجیح اور ایمان و اعتقاد کی شرط قرار دیتا ہے۔

اسلام کا مقصد نفس پرستی کے خلاف کھلم کھلا بغاوت اور ہر فرد کو اس کے پنجے سے نجات دلانا ہے تاکہ انسان کی لطیف صلاحیتیں اس زنگ سے صاف ہو جائیں اور محنت و جفاکشی اور مجاہدۂ و نفس کشی کے ذریعہ سے ہمہ وقت صیقل رہیں۔

مادی لذتوں کے دلدادہ اپنے آرام و عیش اور خوش و خرم زندگی کے مقابلے میں دوسروں کو مجبور اور بیکس اور قدرتی وسائل سے محروم سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ ان کا غلط خیال ہے خواہشات کے پیچھے دوڑنے سے اطمینان و سکون کے بجائے رشک و حسد کی عادت پڑ جاتی ہے جو آدمی کے سکون و آرام کو غارت اور اس کی زندگی کو غیر معتدل بنا دیتی ہے۔ اس کے ساتھ انسانی زندگی میں کسی قسم کا معاشرتی، ذہنی اور فنی ارتقا نہیں ہو سکتا اسلام بغیر کسی قسم کی رہبانیت کے خواہشات کو افراد اور سماج کے درمیان اس طرح توازن کے ساتھ رکھنا چاہتا ہے کہ ہر شخص کو اپنی ضروریات زندگی اور عیش و آرام کی مناسب مقدار مل سکے اور تمام لوگ مل جل کر معاشرتی تعمیر و ترقی میں اچھی طرح حصہ لے سکیں۔

انسانیت آج جن خرافات و توہمات میں مبتلا ہے وہ یا تو انسان کے خود ساختہ ہیں یا سربرآوردہ اہل علم کی بعض چیزوں کو غلط فہمی کی بنا پر خدا کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے جن میں ابتدائے آفرینش کی خامی اور غیر پختہ فکر جھلک رہی ہے۔

اسلام ان تمام خرافات کو جو یہود و نصاریٰ اور تمام اقوام میں پھیلی ہوئی ہیں۔ نہایت خوش اسلوبی سے عقل انسانی اور ایمان و یقین سے زائل کر دیتا ہے تاکہ کسی قسم کی علمی و عقلی غلط فہمی باقی نہ رہے اور خرافات اور حقیقت ایمان میں پورا امتیاز، علم اور ترقی کے رشتوں کی صحیح اور اصل صورت حال سامنے آجائے اور انسان اللہ تعالیٰ کی قوت و عظمت کا اعتراف اور اس کی عبادت پورے قلبی اطمینان کے ساتھ کرے اس تشریح سے ہر شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ تمام مقاصد ابھی پورے کبھی نہیں ہوئے اور جب تک دنیا قائم ہے یہی حالات باقی رہیں گے۔ آج بھی ظالم و مظلوم اور حاکم و محکوم کا فرق اور جسمانی اور شہوانی خواہشات کا غلبہ ہے، دنیا کی نصف آبادی اس وقت بھی بت پرست ہے اور باقی نصف بھی باطل پرستی اور نفس پرستی اور مادہ پرستی کی سخت کشاکش میں مبتلا ہے جو کسی بھی وقت انسان کو نقطۂ حقیقی سے بہت دور لے جا سکتی ہے اور اس میں علم و فن بھی برابر کے شریک اور پوری طرح کارفرما ہیں۔

علم کو انکشاف اور سمجھنے سمجھانے میں فی الواقع ایک بڑی حیثیت حاصل ہے اور یہ علم ہی ہے جس نے آج انسان کو اس تمدنی ترقی کا مالک بنا دیا ہے لیکن اس معاملہ میں یورپ کی رائے پوری طرح صحیح نہیں کہ معلومات کا ذریعہ صرف علم ہی ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ نہیں جس سے انسان کو حقائق کا علم ہو سکتا ہے، اس طرح فکری میدان اور نظریاتی وسعت محدود ہو کر رہ جاتی ہے اور علم اپنی تمام وسعتوں اور تحقیقی گہرائیوں کے باوجود انسان کی علمی اور تربیتی اور احساسی و ادراکی اور وجدانی اور اعلیٰ انسانی صلاحیتوں کی کارفرما سحر کاریوں کے سامنے بہت تنگ معلوم ہوتا ہے۔

انسان غیر محسوس طاقت اور اعلیٰ روحانی فیض کے ذریعہ جن حقائق اور معارف کی تہ تک پہونچ سکتا ہے وہاں علم کی رسائی نہیں ہے۔ کسی حقیقت کی ظاہری شکل و صورت کی محدود اور سطحی طرز فکر کائنات کے رازہائے سربستہ اور اس کی حقیقت تک نہیں پہونچ سکتی ایمان اور اطمینان کامل اور روحانی وجود میں جو قوت ہے وہ ان سے بالکل بے خبر ہے وہ کشف و الہام کی بالادستی سے واقف نہیں اور محض اس لئے اس کا منکر ہے کہ ابھی تک اس کا تجربہ نہیں ہو سکا اور سائنسی حیثیت سے اس کا ثبوت نہیں مل سکا اور چونکہ ذات خداوندی علم و تجربہ سے بلند ہے اس لئے بہت سے سائنٹسٹ اور منکرین نے خدا کے وجود سے انکار کر دیا ہے ان تمام حالات کو دیکھتے ہوئے جس طرح آج سے تیرہ سو برس پہلے اسلام کی ضرورت تھی آج بھی اسی طرح باقی ہے۔ باہمی کشمکش اور عقلی و ذہنی بحران سے نجات حاصل کرنے اور اصلاحی و تعمیری مساعی کے لئے دنیا کو اسلام کی سخت ترین ضرورت ہے۔ آج بھی اسلام مذہب اور علمی و سائنسی اصولوں میں صلح و مفاہمت کی راہیں ہموار کر سکتا ہے، اس صلح کے بغیر انسانیت مغربی تہذیب کی غیر فطری ریشہ دوانیوں سے محفوظ نہیں رہ سکتی۔ انسان کے لطیف احساسات اور فطری جذبات اور خدا کی پیدا کردہ سائنسی حقیقتوں کے درمیان حقیقی رشتے واضح نہیں ہو سکتے۔

ندوۃ العلماء منزل بہ منزل

چند تاریخی جھلکیاں

دارالافتاء کی ضرورت پر مولانا کی تقریر

یکم محرم ۱۳۲۳ھ کو جلسۂ انتظامیہ میں مولانا سید محمد علیؒ (ناظم ندوۃ العلماء) نے بہت قوت کے ساتھ دارالافتاء کے قیام پر زور دیا (یاد رہے کہ اس سے قبل اجلاس لکھنؤ میں مولانا یہ تجویز پیش کرچکے تھے) مولانا نے کہا کہ ایک سال میں جسقدر شہرت آپ کے ندوۃ العلماءؒ کو ہوئی ہے، دوسرے جلسوں کو دس پندرہ برس میں بھی نہیں ہوئی ہوگی۔ پھر خاص و عام جانتے ہیں کہ علماء کی یہ انجمن ہے۔ اب بجز ان صاحبوں کے جو کسی خاص عالم سے خصوصیت رکھتے ہیں تمام ہند کے مسلمانوں کی توجہ اس جلسہ کی طرف ہے جب کوئی ضرورت انھیں پیش آئے گی اور جب کوئی مسئلہ متعلق اعتقادیات یا عملیات دریافت کرنا ہوگا تو ضرور ندوہ سے سوال کرینگے

فقہ میں اجتہاد اور وسیع النظری کی ضرورت

اس کے بعد محکمۂ افتاء کی ضرورت و اہمیت پر علمی و شرعی نقطۂ نظر سے مفصل تبصرہ کرنے کے بعد مولانا نے فرمایا کہ:۔

"جو دقت میں نے فقہ میں بیان کی وہ علمی حیثیت سے تھی مگر ایک اور دقت اس میں ہمارے علماء کے لئے یہ ہے کہ زمانہ کے حالات پر ان کی نظر نہیں، دنیا کے معاملات سے اکثر ناواقف، ان کی پیچیدگیوں کا سلجھانا دشوار جب فقہاء تصریح کرتے ہیں کہ زمانہ کے بدل جانے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں تو ضروری ہوا کہ مفتی زمانہ کیحالت سے بھی واقف ہو، اور اس طرح جب تک معاملات سے واقف نہ ہوگا اور اس کی پیچیدگیوں پر مطلع نہ ہوگا تو صحیح جواب کیونکر دے گا۔ یہاں پر محکمۂ افتاء کی ضرورت دوسرے طور سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ بغیر اس کی خاص توجہ کے یہ مرحلے نہ ہوگا اور بنظر ہماری حالت کے غیر ممکن ہے ہمارے علماء کو ادھر توجہ ہو یا نہیں کہ زمانہ کی حالت اور اس کی موجودہ اشیاء کو دریافت کریں۔ جب یہ حالت ہے تو انصاف کرنا چاہئے کہ دین کی حیثیت سے اس محکمہ کی کیسی ضرورت ہے۔"

اس کے بعد مولانا نے گیارہ دفعات پر مشتمل محکمۂ افتاء کا ایک خاکہ پیش کیا جس کے مطالعہ سے مولانا کے تبحر علمی، وسیع النظری اور بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے منشی اطہر علی صاحب رئیس کاکوروی نے بڑی دیر تک اور جوش کے ساتھ اس کی حمایت میں تقریر کی اور کہا کہ "پیشتر میں اس کا مخالف تھا لیکن مولانا صاحب کی تقریر نے میرا خیال بدل دیا" آخر میں مشروط طور پر دارالافتاء کا قیام منظور ہوا۔

دارالعلوم کی تجویز اور مولانا کا ذہنی خاکہ!

ندوۃ العلماء کے ماتحت بڑے پیمانہ پر ایک دارالعلوم کے قیام کی تجویز سب سے پہلے مولانا کے ذہن میں آئی اور مولانا نے اس کا ایک واضح خاکہ تیار کرکے ۱۲ محرم الحرام ۱۳۱۳ھ کے جلسۂ انتظامی میں پیش کیا یہ تجویز منظور ہوئی اور اس کے بعد یہ خاکہ "مسودہ دارالعلوم" کے نام سے شائع کرکے استصواب رائے کے لئے ممتاز علماء۔ اکابرین اور اہل علم حضرات کو ارسال کیا گیا اس میں دارالعلوم کے مقاصد بیان کرتے ہوئے مولانا نے دو چیزوں پر خاص زور دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

علوم دینیہ، فقہ اور علم کلام میں

سب سے مقدم یہ ہے کہ قوم میں ایسے علما کی ایک جماعت موجود ہو جو علوم مذہبی میں اعلےٰ درجہ کا کمال رکھتی ہو خصوصاً علم کلام میں تاکہ غیر مذہب والوں کے مقابلہ میں اسلام کی حقیقت اور عمدگی ثابت ہوسکے اور علم فقہ میں اس کو ملکہ تام حاصل ہو تاکہ عبادات کے متعلق احکام اور فتاوئی اس کے مستند اور واجب العمل سمجھے جائیں

دنیا کے حالات سے واقفیت

دوسری چیز کا مولانا نے بڑے اہتمام سے ذکر کیا ہے وہ دنیا کے حالات، واقعات سے علماء کی واقفیت ہے، لکھتے ہیں۔

"بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک جماعت علماؑ کی دنیا کے حالات اور واقعات سے بھی باخبر ہو، انکو معلوم ہو کہ جس سلطنت میں وہ بسر کرتی ہے اس کے اصول سلطنت کیا ہیں، ان کو سلطنت سے کس قسم کا تعلق ہے۔ ان کی ... دنیوی حالت کیا ہے، ان کو کیا ضرورتیں درپیش ہیں، سلطنت کے انتظامات میں جو تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں ان سے مسلمانوں کی حالت پر کیا اثر پڑتا ہے؟ ملک میں علماء کا جو اثر کم ہوتا جارہا ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ خیال عام طور پر پھیلتا جاتا ہے کہ علماء حجروں میں معتکف ہیں اور ان کو دنیا کے حال سے بالکل خبر نہیں اس سے دنیاوی معاملات میں انکی ہدایت اور ان کا ارشاد بالکل ناقابل التفات ہے۔ بے شبہ جو علماء دنیا سے بالکل ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور ان کو کثرت عبادت اور ذکر و فکر کی وجہ سے اپنے زن و فرزند کی ضروریات کی طرف بھی توجہ نہیں۔ اصحاب صفہؓ سے ان کو تشبیہ دی جاسکتی ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ کل صحابۂ کرام اصحاب صفہؓ نہیں تھے اور نہ ہوسکتے تھے۔

بے شبہ اصحاب صفہؓ کے مشابہ ایک گروہ ہمیشہ قوم میں موجود رہنا چاہئے لیکن اس کے ساتھ نہایت ضرور ہے کہ ایک جماعت کثیر ایسی بھی موجود رہے جو واقفیت و اطلاع انتظام و تدبیر حزم و مصلحت اندیشی میں حضرت عمرؓ عمرو بن العاصؓ۔ خالد بن ولیدؓ، ابوعبیدہؓ امین کے نقش قدم پر ہو۔

مسودہ دارالعلوم میں مولانا نے درجات طریقہ تعلیم مدت تعلیم، ترتیب علوم طلبہ و اساتذہ کی رہائش اور نظام الاوقات وغیرہ کا بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ایک جامع اور عملی نقشہ پیش کیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی نظر اس شعبہ میں کتنی گہری، کتنی وسیع، کتنی جدید (U-P-TO-DATE) اور کتنی دور اندیش اور وقت شناس تھی۔ یہ خاکہ اتنا زمانہ گزرنے کے باوجود اسی طرح تازہ اور نیا ہے اور ندوہ کے ہر بہی خواہ اور ذمہ دار کے لئے اس کا مطالعہ مفید اور ضروری ہے۔ یہ مسودہ اس قابل تھا کہ پورا اس جگہ درج کیا جائے۔ لیکن طوالت کی وجہ سے اس کے بعض خیال انگیز اور لائق توجہ اجزاء یہاں لکھے جاتے ہیں اس سے ہم کو اندازہ ہوگا کہ مولانا کے ذہن میں دارالعلوم کا کیا تصور اور نقشہ تھا۔ یہ ایک قلمی تصویر ہے جس کی مدد سے ہم مولانا کے افکار و خیالات کو گرفت میں لاسکتے ہیں، اور ان کے تصور تعلیم و تربیت و تعمیر شخصیت کو قابل وثوق ذریعہ سے سمجھ سکتے ہیں۔

(باقی)

براہ کرم خط و کتابت کے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں: ورنہ تعمیل میں تاخیر کا امکان ہے۔ (منیجر)

حسرت نصیبی

زائر حرم حمید صدیقی

جب دیارِ رحمت عالم کی یاد آجائے ہے
کیا کہوں کیسا دل مضطر کو تڑپا جائے ہے

کچھ عجب عالم فضا ہر طرف چھا جائے ہے
جب سکوت شب میں دل کا ساز چھڑ جائے ہے

دل ہجوم یاس سے جس وقت گھبرا جائے ہے
باب رحمت کے تصور سے سکوں پاجائے ہے

قبۂ انور کا منظر یاد جب آجائے ہے
نور کا عالم نگاہِ شوق پر چھا جائے ہے

جب کسی اہل حرم کا کوئی خط آجائے ہے
روح کو مسرور دل کو شاد فرما جائے ہے

جب شمیم کوئے طیبہ لیکے آتی ہے نسیم
آرزوں کے گلستاں میں بہار آجائے ہے

ہو کے محو دید طیبہ دیکھتا ہوں جسطرف
ذرے ذرے پر مرا کیف نظر چھا جائے ہے

اللہ اللہ جس طرف نظریں اٹھا کر دیکھئے
ایک فردوس تجلی سامنے آجائے ہے

یاد آتا ہے وہ اکثر گوشۂ صحن حرم
جس جگہ پر بیٹھ کر مشکل سے اٹھا جائے ہے

ہوتا جاتا ہے فزوں جتنا غم درد فراق
اشتیاق دید طیبہ اور بڑھتا جائے ہے

جارہے ہیں قافلوں پر قافلے سوئے حرم
دل وفور شوق سے سینے میں مچلا جائے ہے

آہ یہ حسرت نصیبی، ہائے یہ درماندگی
دل تڑپ جاتا ہے جب طیبہ کی یاد آجائے ہے

پاشکستہ ہوں کدھر جاؤں الٰہی کیا کروں
قافلے کا ساتھ بھی اب مجھ سے چھوٹا جائے ہے

المدد اے چارہ فرمائے غم دل المدد
عمر گھٹتی جائے ہے اور شوق بڑھتا جائے ہے

مجھ سا عاصی اور وہ دربار اقدس اے حمید
اب تو دل اسکے تصور سے بھی تھرا جائے ہے

حسن فطرت کے دریچے سے

یہ کس کی جستجو ہے گلکدوں میں خار زاروں میں!
بھٹکتا پھر رہا ہوں زندگی کی رہگذاروں میں

مری نادانیٔ شوق آہ میں نے کچھ نہیں سمجھا
وہ سب کچھ کہہ گئے مجھ سے اشاروں ہی اشاروں میں

قسم ہے حسن فطرت کی اسے کیونکر غلط کہہ دوں
نہیں دیکھا ہے میں نے باغ کی رنگیں بہاروں میں

یہ کس کی شوخیٔ گل گشت کے آثار ہیں اب تک
مہکتے مرغزاروں میں معطر سبزہ زاروں میں

کسی فرصت میں ان کو ذہن فطرت نے تراشا ہے
جو مستی خیز نغمے جھومتے ہیں آبشاروں میں

بہت سے طور ابھی محفوظ ہیں ذہن تجلی میں
بہاریں کتنی خوابیدہ ہیں ہستی کی بہاروں میں

زمانہ حشر تک جھوما کرے اور وجد میں آئے
وہ روح نغمہ میں نے پھونکدی ہے آبشاروں میں

شمیم انگیزیاں عطر محبت کی سمٹ آئیں
عجب خوشبو ہے اے دل پھول کے ان تازہ ہاروں میں

کوئی آنسو جو میرے پونچھتا ہے تو یہ عالم ہے
کبھی دامن میں تارے ہیں کبھی دامن ستاروں میں

یہ اداک نظر ہے جسکو جس منزل پہ ہو جائے
کہ اطمینان نظارہ ہے پھولوں میں نہ تاروں میں

نسیم باغ میں محفوظ ہے جسکی شمیم اب تک
بہت سے پھول ایسے بھی کھلے تھے سبزہ زاروں میں

نہ جانے کتنے پہلو مرکب ایام نے بدلے
وہی افسانویت اب بھی ہے چاند اور تاروں میں

کمال عشق یہ ہے لب ہوں ساکت دل ہو صد پارہ
مگر یہ ضبط مشکل سے نظر آئے گا یاروں میں

مرے ساغر میں انجم بادۂ صافی کی موجیں ہیں
مجھے شامل نہ کر میخانہ کے تہ جرعہ خواروں میں

حکیم انجم اعظمی

نعت شریف

عکس ہے شمس و قمر میں روئے پر انوار کا
مصحفِ حق آئینہ ہے سید ابرار کا

مہبطِ نور الٰہی کی ہے مسکن ذات پاک
ارفع و اعلےٰ ہے کتنا مرتبہ سرکار کا

ہے تجلیٔ محبت سارے عالم پر محیط
کون اندازہ کرے گا عشق کے معیار کا

میرے غم خانہ کی شمعیں کیوں نہ ہوں ضو پاش
عکس ہے آئینۂ دل پر جمال یار کا

کس طرح محدود کہہ دوں اس کے فیض عام کو
کل زمانے پر ہے پرتو مصحف رخسار کا

اہل دنیا سے کہیں بھی کیا وہ دل کا ماجرا
کشتگان عشق کو یارا نہیں گفتار کا

ان کی ذات پاک مستغنی عن التوصیف ہے
کیا بیاں ہو وصف کوثر احمد مختار کا

(کوثر اعظمی)

خطبات نبوی
مسلسل

اسلامی جہاد اور اس کی حقیقت

مجاہدین اسلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب

۴

حبیب الرحمن ندوی

غزوۂ تبوک میں سامان خورد و نوش کی کمی اور موسم کی شدت نے مسلمانوں کا جو حال کر رکھا تھا مورخین نے اسے بالتفصیل لکھا ہے۔ درخت کی چھال اور پتیاں بھی غذا کے طور پر استعمال کی گئیں لیکن انھیں حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ اور صحابہ کرام نے اس کے ایک ایک لفظ پر پوری طرح عمل بھی کیا اسی غزوے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مشہور خطبہ بھی ارشاد فرمایا تھا۔

اما بعد۔ فان اصدق الحدیث کتاب اللہ واوثق العرى كلمة التقوى وخير الملل ملة ابراهيم وخير السنن سنة محمد واشرف الحديث ذكر الله واحسن القصص هذا القرآن وخير الامور عوازمها وشر الامور محدثاتها واحسن الهدى هدى الانبياء واشرف الموت قتل الشهداء واعمى العمى الضلالة بعد الهدى وخير الاعمال ما نفع وخير الهدى ما اتبع وشر العمى عمى القلب واليد العليا خير من اليد السفلى وما قل وكفى خير مما كثر والهى وشر المعذرة حين يحضر الموت وشر الندامة يوم القيامة ومن الناس من لا ياتي الجمعة الا دبرا ومنهم من لا يذكر الله الا هجرا۔ ومن اعظم الخطايا اللسان الكذب وخير الغنى غنى النفس وخير الزاد التقوى وراس الحكمة مخافة الله عز وجل۔ وخير ما وقر في القلوب اليقين۔ والارتياب من الكفر والنياحة من عمل الجاهلية والغلول من جر جهنم والسكر كي من النار والشعر من ابليس والخمر جماع الاثم وشر الماكل مال اليتيم والسعيد من وعظ بغيره والشقي من شقي في بطن امه وانما يصير احدكم الى موضع اربعة اذرع والامر الى الآخرة۔ وملاك العمل خواتمه وشر الروايا روايا الكذب۔ وكل ما هو آت قريب۔ وسباب المؤمن فسوق وقتاله كفر۔ واكل لحمه من معصية الله۔ وحرمة ماله كحرمة دمه۔ من يتال على الله يكذبه ومن يغفر يغفر له۔ ومن يعف يعف الله عنه ومن يكظم الغيظ ياجره الله ومن يصبر على الرزية يعوضه الله ومن يتبع السمعة يسمع الله به ومن يتصبر يضاعف الله له، ومن يعص الله يعذبه الله ثم استغفر الله ثلاثا

(زاد المعاد ج-۱)

حمد و ثنا کے بعد معلوم ہو کہ سب سے زیادہ سچی بات خدا کی کتاب قرآن ہے اور سب سے زیادہ مضبوط سہارا تقوی کا کلمہ ہے۔ سب سے بہتر دین دین ابراہیمی ہے، سب طریقوں میں بہتر طریقہ خدا کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے، اللہ کا ذکر سب باتوں سے بہتر ہے، سب سے بہتر قصے قرآن کریم میں ہیں۔ بہترین کام وہ ہیں جو انسان پوری تن دہی اور عزم راسخ سے کرے اور بدترین کام وہ ہیں جو از خود گڑھ لئے جائیں۔ تمام راہوں میں سب سے عمدہ راہ پیغمبروں کی راہ ہے اور سب سے بہتر موت شہادت ہے۔ سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ خدا کی ہدایت کے ہوتے ہوئے انسان گمراہی کو اختیار کرے۔ دیکھو بہتر عمل وہ ہے جو نفع دے اور بہتر ہدایت وہ ہے جس پر عمل کیا جائے۔ بدترین اندھا وہ ہے جس کی دل کی آنکھیں پھوٹ گئی ہوں۔ اونچا ہاتھ یعنی دینے والا دست زیریں یعنی لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ جو چیز کافی ہو جائے گو وہ کم ہو اس سے بہتر ہے جو اگرچہ زیادہ ہو مگر خدا سے غافل کرنے والی ہو۔ موت کے وقت کی معذرت بدترین معذرت ہے اور یوم قیامت کی پشیمانی بھی بدترین پشیمانی ہے۔ تعجب ہے ان لوگوں پر جو جمعہ میں آتے ہیں مگر بہت دیر کر کے اور ان پر بھی جن کے دل اللہ کے ذکر میں نہیں لگتے، جھوٹی زبان والا بہت بڑا مجرم ہے۔ تونگری دل سے ہوتی ہے نہ کہ مال سے اصل زاد راہ تقوی ہے حکمتیں اس پر کھلتی ہیں جس کے دل میں خوف خدا ہو دل میں جو چیزیں جم جاتی ہیں ان میں سب سے بہتر چیز یقین اور پختہ عقیدہ ہے۔ دینی عقائد میں شک و شبہ کرنا کفر ہے۔ میت پر چیخنا چلانا سینہ کوبی کرنا عمل جاہلیت میں سے ہے۔ خیانت کی سزا آتش دوزخ ہے شراب کا پینا آتش دوزخ... کا داغ لگوانا ہے بڑے اشعار اور خلاف شرع شعر گوئی ابلیس کی طرف سے ہے نشہ آور چیزوں کا استعمال تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ بدترین کھانا یتیم کا مال کھانا ہے۔ بھلا انسان وہ ہے جو دوسرے کو دیکھ کر ہشیار ہو جائے اور بدنصیب وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ ہی سے بدبخت پیدا ہو۔ دیکھو چار ہاتھ کے تنگ و تاریک گڑھے میں جانا ہے۔ پھر اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے کام وہ اچھا ہے جس کا انجام اچھا ہو، سب سے برا خواب جھوٹا خواب ہے آنے والی چیز کو قریب سمجھو۔ کسی مسلمان کو گالی دینا فاسق ہے، مومن کو قتل کرنا کفر ہے اور اس کی غیبت کرنا خدا کی نافرمانی ہے۔ مومن کے مال کی حرمت بھی اس کی جان کے حرمت کے برابر ہے۔ جو بڑھ بڑھ کر خدا پر باتیں بناتا ہے خدا اسے جھٹلاتا ہے۔ دوسروں کی خطا معاف کرو، اللہ تمہارے گناہ بھی بخش دے گا۔ جو عفو و درگزر سے کام لیتا ہے بخش دیا جاتا ہے اور جو غصہ کو پی جاتا ہے خدا اس کو اس کا اجر دیتا ہے۔ جو لوگ مصیبت پر صبر کرتے ہیں اللہ انھیں اجر اور بدلہ دیتا ہے۔ ریاکاروں کو عذاب و سزا بھی صبر کی عادت ڈالنے والوں کو رب العالمین بڑھا چڑھا کر اجر عطا فرمائے گا جو خدا کی نافرمانی کرتا ہے وہ اس کے عذاب کے لئے بھی تیار رہے الٰہی ہم تجھ سے معافی کے طالب ہیں۔"

ابن کثیر میں ایک خطبے کے یہ الفاظ ہیں:۔

وجاهدوا الناس في الله القريب والبعيد ولا تبالوا في الله لومة لائم واقيموا حدود الله في الحضر والسفر وجاهدوا في الله فان الجهاد باب من ابواب الجنة عظيم ينجي الله به من الهم والغم۔

"لوگو! راہ خدا میں نزدیک اور دور والوں سے جہاد جاری رکھو۔ اللہ کے بارے میں اپنے اور غیر کا کوئی لحاظ نہ کرو نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت پر کان دھرو۔

(بقیہ ص ۱۲ پر)

ہندوستان میں

عربی لغت پر کام

(۳)

مولانا محمد ثانی حسنی

ماضی قریب میں یا زمانہ حال میں جو کام کیا گیا ہے یا کیا جا رہا ہے وہ زیادہ تر عربی اور اردو میں مشترک ہے تاکہ ہندوستانی طلبہ زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں اس سلسلہ میں حسب ذیل کتب منظر عام پر آچکی ہیں۔

سب سے پہلے علامہ سید سلیمان ندوی کا ذکر خیر کیا جاتا ہے، علامہ مرحوم صوبہ بہار کے ایک علاقہ دسنہ کے رہنے والے اور عرب و عجم میں مانے ہوئے مشہور فاضل تھے، آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے فارغ اور علامہ شبلی نعمانی، مولانا حفیظ اللہ صاحب اور علامہ فاروق بن علی چڑیاکوٹی جیسے فضلا کے تربیت یافتہ تھے، ادب عربی پر وہ مہارت حاصل تھی جو ہزاروں میں کسی ایک کو ہوتی ہے۔ آپ نے لغات جدیدہ کے نام سے عربی علوم کے طلبا کے لئے ایک کتاب لکھی تھی جو ہندوستانی مدارس میں متداول ہے، اس میں عربی کے بے شمار قدیم و جدید الفاظ ہیں اور ان کا ترجمہ۔ سید صاحب کراچی کی ہجرت سے پہلے بھوپال میں قاضی القضاۃ تھے۔

سید صاحب کی وفات ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء میں کراچی میں ہوئی۔

پنجاب یونیورسٹی نے مولانا سید طلحہ صاحب حسنی ٹونکی سے لغت عربی پر ایک ضخیم کتاب لکھوائی جس کی دو جلدیں ہیں، ایک طرف عربی الفاظ دوسری جانب اس کے معانی ہیں۔ اس کا نام معجم العربیہ ہے۔ مولانا سید طلحہ صاحب پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ اورینٹل کالج میں مدتوں پروفیسر رہے ہیں اور اس وقت کراچی میں مقیم ہیں۔

دو اور کتابوں کا ذکر رہ گیا ہے جن کا ذکر پہلے آنا چاہئے تھا ان میں سے پہلی کتاب اعجاز البیان فی لغات القرآن ہے جس کو مولانا روح اللہ میرٹھی نے لکھا ہے اس کتاب میں قرآن کریم کے الفاظ اور اس کے معانی بیان کئے ہیں۔

دوسری کتاب تاج اللغات الصحاح ہے اس کی چھ جلدیں ہیں اور عربی فارسی زبان میں لکھی گئی ہے

ایک کتاب اور ہے جس کا نام گوہر منظوم ہے اگرچہ اس کا نام عجمی ہے اور پھر فارسی زبان میں نظم ہے لیکن عربی لغات کے موضوع پر ہے، یہ کتاب نہایت دلچسپ اور علمی ہے۔ اس کے لکھنے والے شیخ محمد علی المولوی ہیں۔

اب پھر ماضی قریب کی طرف پلٹئے تو آپ کو ایک اور کتاب نظر آئے گی جس کا نام بیان اللسان ہے، یہ بھی عربی اردو کا ترجمہ ہے۔ لیکن عربی طلبا کے لئے بہت مفید ہے۔ اس کتاب کے مصنف میرٹھ کے ایک مشہور عالم اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد ہیں، آپ نے اس کتاب کو بڑی کاوش سے تیار کیا ہے۔

لغات قرآن، دوسری کتاب قرآن کے لغات پر ہے جس کا نام قاموس القرآن ہے، گویا یہ کتاب قرآن کی منجد ہے، یہ مولانا زین العابدین میرٹھی نے تیار کی ہے۔

قرآنی لغات کے سلسلہ میں ایک اور کتاب ہے جو نہایت ضخیم ہے اس کا نام بھی لغات القرآن ہے، اس کی چھ جلدیں ہیں جن کو دو مستند عالموں نے تیار کیا ہے، ایک مولانا عبدالرشید نعمانی، دوسرے مولانا عبدالدائم الجلالی۔

اب ہم آخر میں آپ کی نظر دو اور جامع کتابوں کی طرف پھیرتے ہیں جو عربی لغت پر نہایت کامیاب کوشش ہے۔

ان میں سے ایک کتاب عربی سے اردو میں ہے دوسری اردو سے عربی میں۔ پہلی کا نام مصباح اللغات ہے یہ کتاب عربی کی مشہور لغت المنجد کا ترجمہ ہے اور ساتھ ہی ساتھ نہایت اہم اضافات بھی شامل ہیں اور تازہ الفاظ بھی درج ہیں۔ اس کتاب کو دہلی کے مشہور علمی ادارہ ندوۃ المصنفین نے شائع کیا، اس کے مرتب مولانا عبدالحفیظ صاحب بلیاوی ہیں جو دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ ہیں، مولانا کو اس اہم علمی خدمت پر حکومت ہند کی طرف سے انعام بھی دیا گیا، اس کتاب کو چھپے ہوئے ابھی چند ہی سال ہوئے لیکن اس درمیان میں اس کے کئی ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں اور خراج تحسین لے چکے ہیں۔

اس کتاب سے ہندوستان کے عربی مدارس کے طلبا کو بڑا فائدہ پہونچ رہا ہے۔ اور یہ ہندوستان میں المنجد کی جگہ لے رہی ہے۔ اس لئے کہ ہندوستانی طلبا کے لئے اردو ترجمہ ہونے کی وجہ سے زیادہ آسان اور دلچسپ ہے۔

دوسری کتاب بھی مولانا عبدالحفیظ بلیاوی نے لکھی ہے جو اردو عربی ڈکشنری کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں اردو الفاظ اور ان کا عربی میں ترجمہ ہے۔

یہ ہیں وہ کتابیں جن کا ذکر کرنا لغت عربی سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے مفید ہوگا۔

(ختم شد)

سیرت

مولانا سید محمد علی مونگیری

(بانی ندوۃ العلماء)

از

سید محمد الحسنی

ندوۃ العلماء کے تخیل اور نصب العین، اسکے کردار، اس کی خدمات و خصوصیات اور اسکے بانی و اولین رہنما کے سوانح حیات اور حالات و کمالات سے واقفیت کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنے مفصل مقدمہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"کتاب جامع بھی ہے موثر بھی، دل آویز بھی، وہ نہ صرف ایک عظیم و برگزیدہ شخصیت کی سوانح ہے بلکہ ایک عظیم تحریک کی تاریخ بھی، ایک معاشرہ کی تصویر بھی ہے اور ایک پورے دور کی عکاسی بھی، امتی کی سرگزشت بھی ہے اور مستقبل کا وہ خواب بھی جو خدا کے ایک برگزیدہ و عالی ہمت بندہ نے دیکھا تھا

سوا چار سو صفحات معیاری کتابت و طباعت مجلد مع گرد پوش

قیمت چھ روپے

مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

شائع کردہ

البحث الاسلامی و تعمیر حیات

تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ

یونس نگرامی ندوی

(۱)

آج کل نمازوں کی حیثیت صرف قانونی رہ گئی ہے۔ نماز کا وقت آیا کسی طرح سے نماز ادا کرلی گئی اور فرض ادا ہوگیا۔ حالانکہ نماز کی کیفیات اور اثرات عجیب وغریب ہوتے ہیں۔ ہمارے اسلاف نماز پڑھنے کے لئے کوئی نہ کوئی موقع ڈھونڈھتے رہتے تھے جہاں ذرا سا بھی موقع ملتا عبد و معبود کے درمیان راز و نیاز شروع ہوجاتا۔

عبداللہ بن زبیر کے بارے میں ثابت بنانی کہتے ہیں۔ جب بھی ان کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی لکڑی کا کھمبا ہے جس میں کوئی حرکت نہ ہوتی۔

یحییٰ بن وثاب فرماتے ہیں۔ عبداللہ بن زبیر جب سجدہ کی حالت میں ہوتے تو چڑیاں ان کی پیٹھ پر آکر بیٹھ جاتی تھیں۔

دوسرے لوگوں کی روایت ہے کہ عبداللہ بن زبیر کی پوری پوری رات سجدوں میں گذر جاتی۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیر نماز میں مصروف تھے چھت سے ایک سانپ آپ کے صاحبزادے ہاشم پر گر پڑا۔ یہ دیکھ کر خواتین پریشان ہوگئیں۔ محلہ کے لوگوں نے آکر سانپ کو مار ڈالا لیکن عبداللہ بن زبیر کو کچھ خبر نہ ہوئی جب سلام پھیرا تو ان کو سارا واقعہ تبلایا گیا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۳۳۳، ۳۳۴)

(۲)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا وقت جب قریب آیا تو انھوں نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا "جب میرا انتقال ہوجائے تو میری موت کی خبر پھیلنے نہ پائے، اور اس سلسلہ میں سختی سے کام لیا جائے پھر میری تدفین شریعت کے مطابق کی جائے۔ جب میں دفن کردیا جاؤں تو میری قبر پر قرآن مجید کی تلاوت کی جائے اور خدا سے دعا مانگتے ہوئے کہا جائے۔

"اے رب العالمین، اے بزرگ و برتر تیرے پاس تیرا ہی ایک حقیر و ذلیل بندہ حاضر ہو رہا ہے اس کو اپنی آغوش رحمت میں لے لے۔

ایک دوسری جگہ اپنی زندگی بھر کا تجربہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"انسان اپنے معاملات میں جب بھی اللہ کے اوپر بھروسہ و اطمینان رکھتا ہے تو راستہ کی تمام مشکلات حل ہوجاتی ہیں لیکن جہاں غیر اللہ کا تصور ذہن میں ابھرا یا ان پر کسی طرح کا بھروسا رکھا بس وہیں سے پریشانیوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور یہ میرا بچپن سے ابتک کا تجربہ ہے۔

(طبقات الشافعیہ للسبکی ج ۵ ص ۳۸)

(۳)

حضرت سلمان فارسیؓ مدائن کے گورنر ہیں۔ رعایا کی دیکھ بھال کے لئے بازاروں میں گشت کر رہے ہیں۔ لیکن بدن مبارک پر ایسی پوشاک ہے جس سے کسی مزدور پیشہ آدمی ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ چونکہ مدائن میں اس وقت ایک بڑا میلہ لگنے جارہا ہے اس لئے تاجروں کے قافلے ساز و سامان لئے چلے آرہے ہیں۔

ابھی ابھی ایک قافلہ رکا ہے ان تاجروں کو سامان اٹھانے کے لئے کسی مزدور کی تلاش ہے سامنے ہی سلمان فارسیؓ نظر آجاتے ہیں تو یہ تاجران کو آواز دے کر سامان اٹھواتے ہیں۔

راستہ میں لوگوں کی نظر جب حضرت سلمانؓ پر پڑتی ہے تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ تم لوگوں نے یہ کیا غضب کیا۔ یہ تو مدائن کے گورنر سلمان فارسی ہیں یہ سنتے ہی تاجروں کے حواس باختہ ہوجاتے ہیں اور وہ حضرت سلمان سے معافی کے خواستگار ہوتے ہیں حضرت سلمان فرماتے ہیں اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ کہ میں تم لوگوں کا سامان منزل تک پہنچادوں۔ آخر گورنر کس بات کے لئے ہوں۔

(صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی ج ۱ ص ۲۱۹)

بقیہ خطبات نبوی

سفر و حضر میں بھی حدود خداوندی قائم کرو۔ جہاد کرتے رہو جان لو جہاد جنت کا سب سے بڑا دروازہ ہے اسی سے اللہ غم و الم سے بچاتا ہے۔

انکم قد اصبحتم بین احمر و اخضر و اصفر۔ فاذا لقیتم عدوکم فقدما قدما فانه لیس احد یحمل فی سبیل الله الا ابتدرت الیه ثنتان من الحور العین فاذا استشهد کان اول قطرة تقع من دمه کفر الله عنه کل ذنب وتسحان الغبار عن وجهه وتقولان قد آن لك و یقول آن لکما

(بزار)

افسوس اسلامی تعلیمات کا بہت بڑا حصہ ہم نے عملاً چھوڑ رکھا ہے۔ خصوصاً جہاد فی سبیل اللہ کا تو کوئی تصور ہی ہمارے ذہن میں نہیں رہا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد خروج یاجوج ماجوج تک مسلمانوں کو کرنا ہے۔ حضرت یزید بن شجرہ سے مروی ہے کہ میدان جنگ میں آپ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

"مسلمانو! تم سرخ سبز اور زرد کے درمیان ہو گویا بتیس دانتوں کے بیچ میں ہو۔ دیکھو دشمن سے لڑائی شروع ہونے پر آگے ہی آگے بڑھتے رہنا۔ دیکھو راہ خدا میں جہاں غازی حملہ کرتا ہے وہیں اس کی طرف دو حوریں نکلتی ہیں۔ جہاں یہ شہید ہوا، اس کے خون کا پہلا قطرہ ہی اس کے تمام گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے۔ حوریں آتے ہی اس کے چہرے سے گرد و غبار صاف کرتی ہیں اور کہتی ہیں بس اب تو تیری مسرتوں کا وقت آگیا ہے اور یہ بھی کہتی ہیں کہ اب تیری امیدیں پوری ہوں گی۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ اب تمھاری امیدیں بھی پوری ہونگی۔

ہندوپاک کا واحد عربی ماہنامہ

البعث الاسلامی

زیر ادارت: محمد الحسنی، سعید الاعظمی

"البعث الاسلامی" عالم عربی میں وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور وہاں کے دینی حلقوں میں مقبول ہے

۸۰ صفحات، اعلیٰ طباعت، خوبصورت سرورق

چندہ سالانہ آٹھ روپے

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

چو مرگ آید تبسم برلب اوست

تسنیم الحسن صدیقی ندوی

(۱)

حاضرین کے ایک اجتماع نے ابو درداءؓ سے سوال کیا کہ آپ اس وقت کس حالت میں ہیں؟ کیا آپ کو کوئی تکلیف ہے؟ فرمایا، ہاں، مجھے اس وقت اپنے گناہوں کی تکلیف ہے۔ حاضرین نے پھر دریافت کیا کہ آپ کو کس چیز کی ضرورت ہے، فرمایا مجھے اس وقت صرف ایک چیز کی ضرورت ہے جو تمھارے اختیار سے باہر ہے اور وہ ہے جنت حاضرین نے عرض کیا۔ فرمائیں تو طبیب بلایا جائے فرمایا نہیں اس کی کوئی حاجت نہیں، اس نے ہی تو اس حالت پر پہنچایا ہے اب تو مجھے صرف اپنے معبود سے ملنے کی تمنا ہے۔ اور وہ جلد ہی پوری ہونے والی ہے اس کے تھوڑی ہی دیر کے بعد ان کی زبان پر کلمۂ شہادت جاری ہوگیا اور جان جان آفریں کے سپرد کی۔

(صفۃ الصفوۃ ص ۲۴۶ ج ۱)

(۲)

حضرت علیؓ بن ابی طالب حسب معمول نماز فجر کے لئے باہر نکلے ابھی تھوڑی ہی دور تشریف لے گئے تھے کہ آپ نے بلند آواز سے فرمایا قتلنی الکلب، شاید کسی نے آپ پر اوپر حملہ کردیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہاں پر لوگوں کا ہجوم ہوگیا اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ زخم گہرا لگا ہے۔

کئی دن کے مسلسل علاج سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا اور حالت روز بروز گرتی ہی گئی، اسی اثنا میں ایک صحابی مزاج پرسی کے لئے تشریف لائے، اور آپ کا زخم دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، آپؓ نے پٹی کھول کر زخم دکھایا زخم دیکھنے کے بعد انھوں نے عرض کیا کہ اب تو بہت فائدہ ہے جلد ہی ٹھیک ہوجائیں گا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ نہیں اب وہ جلدی ٹھیک نہ ہوگا، بلکہ اب تو میں تم سے جدا ہونے والا ہوں، ابھی یہ الفاظ ختم بھی نہ ہونے تھے کہ پردہ کے پیچھے سے رونے کی آواز سنائی دی۔ یہ ام کلثوم تھیں جو آپ کے یہ الفاظ سنکر رونے لگیں تھیں، جب یہ آواز حضرت علیؓ کے کان میں پڑی تو انھوں نے فرمایا، رب کعبہ کی قسم اس وقت جو میں دیکھ رہا ہوں اور جو حالات میرے اوپر منکشف ہوگئے ہیں اگر وہ تم کو معلوم ہوجائیں تو تم کبھی بھی نہ روتیں، آپ کے اس کہنے پر ان صحابی نے عرض کیا کہ، آپ اس وقت کیا دیکھ رہے ہیں، فرمایا "میں اس وقت فرشتوں کی ایک بہت بڑی جماعت اور انبیاء کو دیکھ رہا ہوں جو میرے استقبال کے لئے تشریف لائے ہیں، یہ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم قدم رنجاں ہیں اور فرما رہے ہیں کہ " اے علی خوشخبری حاصل کرو کیونکہ جس وقت تم جس حالت میں ہو، اس سے بہت ہی اچھی حالت کی طرف منتقل ہونیوالے ہو، ان تمام کلمات کے بعد آپ نے حاضرین کو سلام کیا اور ان کے لئے دعا فرمایا، اور پھر آپ کی زبان پر کلمۂ شہادت جاری ہوگیا چہرے پر ایک نور سا پھیل گیا اور چند لمحوں کے بعد آپ ہنسی خوشی اپنے معبود حقیقی سے جا ملے اگرچہ آپ نے اپنے پیچھے ماتم گساروں کی ایک عظیم جماعت چھوڑی۔

(سوانح سیدنا علی بن ابی طالبؓ ص ۸۱۰)

(۳)

خدا کا خوف کرتے رہنا کیونکہ خدا خوف کرنے والوں کو مصائب سے بچاتا ہے جو خدا سے خوف نہیں کرتا اس کا کوئی مددگار نہیں۔ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کرتا مرحمت فرمایا تھا وہ میں نے اسی دن کے لئے محفوظ رکھا ہے۔ اسی طرح میرے پاس آپ کے ناخن اور موئے مبارک محفوظ ہیں، مجھے اس کرتہ میں کفنانا اور موئے مبارک کو آنکھوں اور منہ کے اندر رکھ دینا۔ شاید خدا اسی کے طفیل میں اور اسی کی برکت سے مغفرت کردے۔

ان تمام قیمتی وصیتوں کے بعد حضرت معاویہؓ رجب ۶۰ھ میں ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئے اور ضحاک بن قیس کے ہاتھوں دفن کئے گئے۔

(استیعاب ج ۱ ص ۲۶۲)

(۴)

محمد بن واسع مرض موت میں مبتلا ہیں اور تنہائی کے طالب ہیں لیکن عیادت کرنے والے ہیں کہ ان کا سلسلہ ختم ہی نہیں ہوتا بلکہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ بالآخر انھوں نے اکتا کر فرمایا کہ یہ لوگ اس وقت میرے کیا کام آئیں گے جب مجھے گھسیٹ کر جہنم میں داخل کردیا جائے گا اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی ــ یعرف المجرمون بسیماھم فیؤخذ بالنواصی والاقدام۔ اور اس جہان سے کوچ کر گئے۔

(صفۃ الصفوۃ ج ۳ ص ۱۹۴)

(۵)

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

کسی راہ چلتے مسافر نے یہ شعر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی قیام گاہ سے گذرتے ہوئے پڑھا۔ خواجہ قطب الدین چونکہ بیمار تھے "نے اس کو سنا اور سنتے ہی ان کی کیفیت غیر ہوگئی اور بار بار اس شعر کو پڑھنے لگے اور دریافت کرنے لگے کہ کیا ہی شعر پڑھا ہے اس شعر کے بار بار تکرار سے ان کی یہ کیفیت ہوئی کہ ان پر غشی طاری ہوگئی اور مسلسل چہار شبانہ روز طاری رہی۔ صرف نماز کے وقت ہوش آتا اور نماز کے بعد پھر غشی طاری ہوجاتی۔ پانچویں شب میں وہ اس جہان سے کوچ کر گئے۔

شیخ بدرالدین غزنوی جو اسی شب کو خواجہ کی خدمت میں حاضر تھے۔ فرماتے ہیں کہ جس شب کو شیخ قطب الدین نے دار فانی کو چھوڑا اس شب کے ایک حصہ میں مجھ پر غنودگی طاری ہوگئی۔ اور میں نے خواب دیکھا کہ شیخ فرما رہے ہیں " بدرالدین جو لوگ اللہ کو دوست رکھتے ہیں وہ کبھی بھی مرتے نہیں ہیں" اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور دیکھا تو شیخ کی روح پرواز کر چکی تھی اور وہ اپنے معبود حقیقی سے مل گئے تھے۔

(سیر الاولیاء ص ۵۰)

(۶)

ایک شب علی بن صالح کے مرض میں اضافہ ہوگیا اور وہ پیاس کی شدت سے بے چین ہوگئے، انھوں نے پانی طلب کیا ان کی خدمت کے لئے صرف ان کے چھوٹے بھائی موجود تھے جو نماز پڑھ رہے تھے اس لئے کوئی پانی دینے والا نہ تھا۔ نماز سے فارغ ہوکر وہ پانی لیکر حاضر ہوئے تو علی بن صالح نے لینے سے انکار کردیا اور فرمایا کہ ابھی ابھی جبرئیل آئے تھے وہ مجھے پانی پلا گئے ہیں اور انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ تم اور تمھارے بھائی اور تمھارے والدین سب کا شمار ان لوگوں میں ہے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہے اور جن پر اس نے انعام واکرام کیا ہے۔ اس کے بعد وہ اس جہان سے کوچ کر گئے

(صفۃ الصفوۃ ج ۳ ص ۰۰)

طلبہ کا صفحہ

دور حاضر میں

اسلام کا نظام تعلیم کیا ہو؟

(۲)

محمد حمید اللہ درجہ ہشتم دارالعلوم ندوۃ العلماء

ایک طرف ان کے کچھ علماء نے درس نظامی ہی کی کسی نہ کسی شکل کو دینی نظام تعلیم کی حیثیت سے رواج دیا اور دوسری طرف انھیں کے ایک طبقہ نے جدید علوم کی تعلیم کے لئے ایک نئے نظام تعلیم کو مسلمانوں میں پھیلانے کی کوشش کی۔ لیکن دونوں نظامہائے تعلیم سے بڑی حد تک مسلمانوں کی اصل ضرورت رفع نہ ہو سکی۔ دوسری طرف اسلام کے خلاف نئے نئے فتنے اٹھ رہے تھے۔ اور نئے نئے اعتراضات ہو رہے ہیں۔ نئی نئی ایجادات نئے نئے علوم جنم لے رہے تھے جنھوں نے سیکڑوں مسائل پیدا کر دیئے اب دوسرے ممالک میں عموماً اور ہندوستان میں بالخصوص مسلمانوں کو ہر طرف سے مشکلات کا سامنا ہوا۔

قدیم نصاب تعلیم صرف مدرسین اور واعظین پیدا کر رہا تھا۔ ان مدارس سے نکلے ہوئے طلبہ نئے حالات اور نئے فتنوں اور زمانے کے تقاضوں سے یکسر نابلد ہوتے دوسری طرف جدید علوم کے تعلیم یافتہ دین سے ناواقف گویا ان دونوں طبقوں کے درمیان ایک خلیج حائل ہو گئی ایسے موقع پر مسلمانوں کے لئے یہ ناگزیر تھا کہ ایسا نصاب تعلیم تیار کریں جو قدیم و جدید کا سنگم اور دونوں کی خوبیوں کو سمیٹے ہوئے ہو اور نئے تقاضوں کو بھی پورا کرتا ہو، خدا کا شکر ہے کہ وقت کے چند دور اندیش علماء نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور زمانہ کے تقاضوں کو پورا کرنے کی ذمہ داری محسوس کی اور ایک ایسا نصاب تعلیم تیار کیا جس میں زمانے کے نئے علوم بھی جن سے واقف ہونا ناگزیر تھا شامل تھے اور علوم عربیہ کو بھی اس طرح ترتیب دیا کہ عمر کا آخری حصہ غیر مقصود علوم میں صرف نہ ہو اور وہ نصاب تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اپنی حقیقی شکل میں آج ہمارے سامنے موجود ہے لیکن زمانہ ہر وقت یکساں نہیں رہتا حالات بدلتے رہتے ہیں اس وجہ سے کسی زمانے کا مقرر کردہ نصاب تعلیم بھی دائمی اور مستقل نہیں ہو سکتا، اس لئے اب ضرورت اس بات کی ہے کہ قوم کے سربراہ اور علماء اس طرف توجہ کریں اور اپنی اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں اتحاد اور یکسانیت سے کام لیکر وسیع پیمانہ پر اس کام کو انجام دیں اور جہاں جہاں بھی دینی مدارس ہیں ان میں مناسب تبدیلیاں کریں۔ کیونکہ ندوۃ العلماء نے نظام تعلیم میں اصلاح و ترمیم کی جو دعوت آج سے ۶۰-۷۰ برس قبل دی تھی آج اس سے کہیں زیادہ اس ضرورت کا احساس ہونا چاہئے۔ وقت کا ہر لمحہ روح کر اس بات کی دعوت دے رہا ہے کہ جدید و قدیم کی اس خلیج کو پاٹیں، نئے علوم کے ساتھ ساتھ دینی علوم بھی اس طرح پڑھائے جائیں کہ وہ زندگی کے حقائق پر مبنی ہوں۔ مثال کے طور پر قرآن ایک زندہ کتاب الٰہی ہے، ضرورت ہے کہ ہمارے عربی مدارس میں بھی اسے زندہ کتاب کی حیثیت سے پڑھایا جائے اور طلبا کے سامنے نئے غلط نظام ہائے حیات اور جدید فنون کے مقابلہ میں اسلام کے پیش کردہ حلوں کی نشاندہی کی جائے۔ اگر درس حدیث میں مرجیہ اور جہمیہ کی تردید کی جاتی ہے تو اب ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ اسی حدیث سے آپ مادیت اور اشتراکیت کی تردید کریں اگر آپ احادیث سے معتزلہ اور خوارج کے خلاف دلائل جمع کرتے ہیں تو اس وقت اشتراکیت اور دیگر عصری فتنوں کے خلاف بھی دلائل جمع کرتے ہوں گے۔

اسلامی تاریخ کی طرف اب تک ہمارے عربی مدارس نے خاطر خواہ توجہ نہیں کی۔ حالانکہ نئے زمانے میں اس کی اہمیت میں بڑا اضافہ ہو گیا ہے تاریخ نے نئے علم کلام میں خاصی اہمیت اختیار کر لی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اس کو اسی حیثیت سے دیکھا اور پڑھا جائے افسوس کہ دینی مدارس کے فضلاء اسلامی تاریخ تک سے یکسر نابلد رہتے ہیں۔

موجودہ دور میں ادب نے فکر و خیال کی نشر و اشاعت میں بڑی مدد دی ہے اس لئے نئے نصاب تعلیم میں اسکی طرف بھی توجہ کرنے کی اشد ضرورت ہے خود عربی زبان کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے پڑھایا جانا چاہئے۔ کیونکہ کسی زبان سے کماحقہ واقفیت اور اس زبان کے اسالیب بیان سے اعلم و کرامی زبان کے علمی سرمایہ سے مستفید ہونا ناممکن ہے اس کے علاوہ ضرورت ہے کہ نئے علوم و فنون اور نئی تہذیب و تمدن سے بھی طلبہ کو اچھی طرح واقف کرایا جائے۔

ندوۃ العلماء نے بڑی حد تک اس طرز پر کام کیا ہے لیکن اس نصاب تعلیم کو پورے ملک کے عربی و دینی مدارس میں رائج کئے بغیر اس راہ میں کامیابی حاصل کرنا دشوار ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بقیہ: بعض رائج الوقت اصطلاحیں

اور پارلیمنٹ کے ایوان تک میں شور بپا ہوتا ہے اس سے زیادہ صریح فرقہ پروری اور کیا ہو سکتی ہے، بلاشبہ پاکستان کے مظلوم ہندو ہمدردی کے مستحق ہیں لیکن کیا ہندوستان کے مسلمانوں کا اتنا بھی حق نہیں ہے، اس سے ظاہر ہو گا کہ ان اصطلاحوں کے استعمال کرنے والوں کے نزدیک ان کا ہر فعل عین قوم پروری اور مسلمانوں کا ہر عمل فرقہ پروری ہے۔

(باقی آئندہ)

تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ (ج ۱)

مرتبہ یونس نگرامی ندوی

وہ ایمان افروز کتاب جس کے بارے میں پروفیسر رشید احمد صدیقی نے لکھا ہے کہ:

"کتاب اتنی بصیرت افروز اور دل نشین تھی کہ ایک ہی نشست میں پڑھ گیا۔ یہ کام بہت اچھا ہوا۔ جی چاہتا ہے کہ اس طرح کی کتابیں اردو زبان میں ہی نہیں دوسری زبانوں میں بھی شائع ہوں"

ڈاکٹر عزیز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے لکھا:

"موجودہ زمانے میں ایسی کتابیں بڑی تسکین کا باعث ہوتی ہیں۔

شائع کردہ

مکتبہ طیبہ سی ۲۸/۲۰۶ ڈیوڑھی آغا میر لکھنؤ

دلچسپ معلومات

شاید آپ یقین نہ کریں
لیکن یہ حقیقت ہے

میری عمر ۳۰ سال سے زیادہ نہ ہوگی، لیکن میرا خیال ہے کہ میں نے ۳۵ ملکوں کا سفر ضرور کیا ہو گا میری عمر کے بہت سے قیمتی سال بے کراں سمندروں اور طوفانی موجوں میں گذرے۔ طرح طرح کے آدمیوں سے سابقہ پڑا مختلف زبانیں سیکھنی پڑیں۔ بعض مرتبہ سخت دشواریوں سے بھی دوچار ہوا اور اسی کے ساتھ ایسے عجائب و غرائب بھی دیکھنے میں آئے کہ بہت حیرت ہوئی اور بے حد لطف آیا۔ میں آپ کو اس موقع پر صرف ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں اگر آپ کو دلچسپی ہوئی اور آپ نے پسند کا اظہار کیا تو پھر میں غور کروں گا کہ اس سلسلہ کو جاری رکھوں یا بند کر دوں۔

وہ ایک دلچسپ سفر تھا۔ میں اور میرے دو ایک ساتھی ہانگ کانگ (HONG KONG) کی سڑکوں پر ٹہل رہے تھے نئے ملک کے دیکھنے کے اشتیاق اور بھوک کی شدت دونوں چیزوں نے ہم لوگوں کو بے تاب کر رکھا تھا۔ سامنے ایک شاندار ہوٹل نظر پڑا اور ہم لوگ غیر ارادی طور پر اس میں داخل ہو گئے ابھی اطمینان سے بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ ویٹر نے مینو (MENO) لاکر سامنے رکھ دیا لیکن۔

زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم

ہم میں سے کوئی چینی زبان سے واقف نہ تھا اور کھانا چینی ہی زبان میں تھا۔ دھڑکتے ہوئے دل اور مرتعش ہاتھوں کے ساتھ آنکھ بند کر کے ہم نے انگلی ایک جگہ رکھ دی۔ اور جب آنکھ کھول کر سامنے دیکھا تو ویٹر دونوں ہاتھ پھیلا کر کہہ رہا تھا۔ اچھا۔ اچھا۔ بہت اچھا۔ وہ بہت خوش معلوم ہو رہا تھا۔ شاید ہم لوگوں نے کسی بہت اچھی چیز کا انتخاب کیا تھا۔

دیکھو قسمت میں کیا لکھا ہے! ایک ساتھی نے ہنستے ہوئے کہا۔

ہم لوگ اچانک چونکے، باتوں باتوں میں کچھ پتہ نہ چلا کہ وقت کتنا گذر گیا ہے۔ وہی ویٹر سامنے ایک بیلچ کی ٹوکری سے گذرتا ہوا دکھائی دیا۔ ہاتھوں کے اشارے سے ہم نے اس کو جلدی کرنے کو کہا۔ اس نے بہت خوشی کے ساتھ ہاتھ کے اشارے سے بتایا۔ ابھی.. ... ابھی ....

کچھ اور انتظار کے بعد وہ آیا اور اس نے دو تین ہتھوڑے اور چھری کانٹے میز پر رکھ دیئے اور غائب ہو گیا — ہم میں سے ہر شخص ایک دوسرے کو دیکھنے لگا۔

کیا اب ہم سب کو اپنا سر پھوڑنا پڑے گا؟

ہم میں سے کسی کو کبھی ہتھوڑے سے کھانا کھانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ حیرت کی بات ہی تھی۔ ہم لوگ استعجاب کے ساتھ سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے کہ وہ چہرہ پھر دکھائی دیا لیکن اس بار ہمیں اس سے کچھ خوف بھی محسوس ہوا۔

اس کے ہاتھ میں ایک بڑی سی سینی تھی جس کے اوپر گنبد نما سوراخ دار ایک بڑا ڈھکن تھا ان سوراخوں سے بھاپ نکل رہی تھی، شاید آج بہت رچ (RICH) قسم کا لنچ کھانا پڑے گا۔ ایک ساتھی نے ہنستے ہوئے کہا بھوک بہت بڑھ چکی تھی اور جی چاہ رہا تھا کہ کھانے پر ٹوٹ پڑا جائے۔ اس نے سینی ہمارے سامنے رکھ دی۔ لیکن۔ الاماں... الحفیظ....

ان سوراخوں سے جو بھاپ نکل رہی تھی وہ اس قدر تیز بدبودار تھی کہ ہمارے ہوش و حواس اڑ گئے.. ... یا الٰہی یہ کیا بلا ہے؟

اپنے غیر ملکی مہمانوں کی شاندار ضیافت کر کے وہ شاید بہت خوش تھا۔ بہت تیزی کے ساتھ اس نے وہ ڈھکن علیحدہ کر دیا۔ بیچ میں ایک بہت بڑا لیم شیم اور مسلم کچھوا اپنے منہ اور سارے اعضاء و جوارح کے ہماری بے بسی کا مذاق اڑا رہا تھا۔

بھاپ اور بدبو کی شدت سے ہمارا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔

میرے ایک ساتھی کو (جو ہمارے افسر بھی تھے) سخت متلی محسوس ہوئی اور وہ میز چھوڑ کر دوسری طرف ہٹ گئے، دوسری طرف بیچارہ ویٹر ہماری خبط الحواسی اور اس قیمتی (DISH) کی ناقدری پر سخت متعجب تھا پورا کیبن بدبو اور بھاپ سے بھر گیا۔

اس جگہ سے ہٹنے کے بعد اس تاخیر کی وجہ اور ہتھوڑوں اور چھری کا مقصد سمجھ میں آیا۔ یہ دراصل کچھوے کی پیٹھ توڑنے کے لئے لائے گئے تھے۔ معلوم ہوا کہ زندہ کچھوے کو بند کر کے پکایا گیا ہے اور یہ یہاں کے قیمتی کھانوں میں شمار ہوتا ہے جسکے خریدنے کی ہمت ہر شخص نہیں کرتا۔

جب ہوش و حواس بجا ہوئے تو ہم نے اس کی قیمت پوچھی۔ آرڈر دے چکے تھے اس لئے بل ادا کرنا ضروری تھا۔ ایک پونڈ یعنی ۱۳ روپیہ کے قریب دینا پڑا۔ سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ اب کیا کیا جائے۔ تھوڑی تلاش و جستجو کے بعد ایک ایسا شخص نظر پڑا جسکے متعلق اندازہ ہوتا تھا کہ شاید مسلمان ہے۔ وہ کچھ ٹوٹی پھوٹی انگریزی بھی جانتا تھا۔

اس نے ہنستے ہوئے کہا کہ آپ کس ہوٹل میں گھس گئے؟ یہاں تو سب آپ کو اسی قسم کی چیزیں ملیں گی یعنی مینڈک کا اچار۔ سانپ کا مربہ اور چھپکلی کی جیلی سیاہ موٹی اور بھدی چھپکلیوں والی جن میں چربی زیادہ ہوتی ہے۔

اس آدمی کی مدد سے ہمیں بھوک کا علاج کرنے میں آسانی ہو گئی۔ اور ہم لوگوں نے کان پکڑے اور توبہ کی کہ آئندہ احتیاط کریں گے....

لیکن کچھوا عالم تصور میں آج بھی ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔ ہم کو دیکھ کر کھیسیں نکال رہا ہے۔ آنکھیں چمکا رہا ہے ..... اور وہ ہتھوڑے پالش کئے ہوئے اور چمکدار..... آج بھی محسوس ہوتا ہے کہ وہ سر پر پڑنے والے ہیں۔

یہ تھا ہانگ کانگ کا ایک قصہ، اگر آپ کو اس سے مایوسی ہوئی ہے تو مجھے بڑی خوشی ہوگی اس لئے کہ پھر مجھے یہ قصے سنانے کی زحمت نہ گوارا کرنی پڑے گی۔ میری دعا ہے کہ آپ اس کو نہ پڑھیں اور اگر پڑھیں تو منہ بسور کر ایک طرف رکھ دیں۔

شوربہ مزیدار ہے
لیکن
ذرا نمک کم ہے

پرنٹر پبلشر محمد الحسنی نے شاہی پریس لکھنؤ سے چھپوا کر دفتر تعمیر حیات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

دارالعلوم حالات و واقعات !

ادارہ

حادثۂ ارتحال

دارالعلوم کے ایک نہایت مخلص استاذ مولانا حبیب اللہ سلطانپوری ۱۹ جون ۱۹۶۴ء کو معمولی علالت کے بعد اپنے وطن سلطانپور میں انتقال کر گئے، (انا للہ وانا الیہ راجعون) مرحوم ۱۹۴۷ء میں دارالعلوم تشریف لائے تھے اور اسی وقت سے مسلسل وہ درس و تدریس کی خدمت میں مشغول رہے، فارسی میں بہت اچھی دستگاہ رکھتے تھے، اس زبان میں انھوں نے متعدد تصنیفیں کی ہیں جن میں "معین فارسی" اور "دروس فارسی" دو کتابیں دارالعلوم کے ثانوی درجات میں داخل ہیں۔

مرحوم ایک بہت خوش اوقات اور باخدا شخص تھے۔ ان کی دینی زندگی قابل تقلید تھی۔ نمازوں سے شغف نوافل کا اہتمام، ذکر و تہجد کی پابندی ان کے معمولات میں داخل تھی۔ طلبہ کو ان سے ایک خاص لگاؤ تھا جن کی وہ خاموش تربیت کرتے رہتے تھے۔ ان کی وفات سے ایک خلا پیدا ہو گیا جس کا احساس ہر فرد کو ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ دے (آمین) وفات کی اطلاع ملتے ہی دارالعلوم میں نصف یوم کی تعطیل کا اعلان کر دیا گیا، طلبہ نے جلسۂ تعزیت کیا اور مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا۔

سہ ماہی امتحان

۱۲ جون ۱۹۶۴ء کو سہ ماہی امتحان ختم ہو گیا اور طلبہ اپنے اپنے درس میں مشغول ہو گئے۔ عنقریب امتحان کے نتیجہ کا اعلان دارالعلوم کی طرف سے ہو جائے گا۔

نئے غیر ملکی طلبہ

دارالعلوم میں ۵ غیر ملکی طلبہ جو تھائی لینڈ سے آئے ہوئے ہیں داخل ہوئے۔ یہ طلبہ چونکہ اپنی زبان کے علاوہ اور زبان نہیں جانتے اس لئے فی الحال ان کو اردو و عربی سکھانے کے لئے ایک خصوصی درجہ میں داخل کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ جلد ہی یہ عربی زبان سمجھنے لگیں گے اور ان کے لئے دارالعلوم کے درجات میں سے کسی درجہ میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کرنا ممکن ہو سکے گا۔

دفتر الرائد

دارالعلوم کی عربی مجلس (النادی العربی) کی طرف سے شائع ہونے والے پندرہ روزہ عربی اخبار الرائد کا دفتر اب دارالعلوم کی عمارت میں نیچے منتقل ہو کر آگیا ہے۔ جس میں مکتبۃ الرائد اور دفتر دونوں قائم ہیں۔ دفتر نیچے منتقل ہو جانے سے طلبہ کو مطالعہ اور استفادہ میں مزید سہولت پیدا ہو گئی ہے۔

سفر حج سے واپسی

دارالعلوم کے استاذ مولانا تقی الدین صاحب ندوی ۱۸ جون ۱۹۶۴ء کو سفر حج سے بخیر و عافیت دارالعلوم واپس آگئے۔ توقع ہے کہ جولائی کے اوائل میں مولانا محمد اسحاق صاحب ندوی استاذ حدیث دارالعلوم بھی اپنے سفر حج سے واپس آجائیں گے۔

"نعلی برکۃ اللہ فی الحل والترحال"

سوانح

حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری رح

از مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ اس عہد آخر میں اولیائے کاملین کا نمونہ تھے، ان کے فیض صحبت و تربیت و اصلاح و ارشاد سے ہندوستان و پاکستان کے لاکھوں مسلمانوں کو فائدہ پہنچا

تین سو تیئیس ۳۲۳ صفحے کی اس کتاب میں حضرت مولانا رائے پوری کی سیرت اور شخصیت، ان کے نمایاں صفات، ان کا انداز تربیت، توازن و جامعیت تعلق و خلوص و محبت، ہر چیز زندہ و متحرک بن کر سامنے آگئی ہے۔

قیمت مجلد .... پانچ روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ اسلام، ۳۷ گوئن روڈ لکھنو

بقیہ امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

"صمدیت کا ہے اور خدا کی شان "یطعم ولا یطعم" کی ہے انسان اس مقام تک تو کیا پہنچ سکتا ہے، اسکی معراج یہی ہے کہ وہ دوسروں کو زیادہ سے زیادہ فیض پہنچائے اور ان سے کم سے کم فیض اٹھائے۔ جہاں تک "یطعم" دوسروں کو کھلانے کا تعلق ہے، اس کا ہاتھ کشادہ، اس کی ہمت بلند اور جہاں تک "یطعم" دوسروں کا کھانے تعلق ہے اس کا ہاتھ کشیدہ اور اس کی نظر بلند ہے۔

عدیل ہمت ساقیست فطرت عرفی
کہ حاتم دگران و گدائے خویشتن است

میرے نزدیک اسلام کی زندگی میں پیش آنے والے تمام ادوار و مراحل کی نمائندگی خلافت راشدہ کے اس مختصر سے دور میں (جو ۳۰ سال سے متجاوز نہیں) کر دی گئی ہے اور ہر آنے والے ناگزیر دور کے لئے اس میں رہنمائی کا سامان ہے آغاز کار اور اقبال و ترقی کے زمانہ میں کس استقامت اور ایمان و یقین کا مظاہرہ کرنا چاہئیے اس کی رہنمائی ہم کو ابوبکر صدیق رض کی حیات طیبہ اور خلافت راشدہ سے حاصل ہوتی ہے، عروج و شباب اور امن و نظام کے زمانہ میں کس استقامت اور ایمان و یقین کا مظاہرہ کرنا چاہئیے اس کی رہنمائی ہم کو فاروق اعظم رض کے دور خلافت سے ملتی ہے۔ مخالفتوں، شورشوں اور فتنوں اور بے نظمی اور انتشار کے وقت کس ثبات و استقامت، کس پامردی، اور دلیری اور کس ایمان و یقین کی ضرورت ہے اس کا نمونہ ہم کو حضرت عثمان اور حضرت علی کی زندگی میں ملتا ہے۔ اگر اسلامی تاریخ کے ذخیرے میں صرف خلافت راشدہ کے دو باب رہ جاتے (جو در اصل ایک ہی باب کی دو فصلیں ہیں) اور صرف خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی کا نمونہ ہوتا تو یہ رہنمائی ناتمام ہوتی اور دور انتشار اور دور فتن کے لئے مسلمانوں کے پاس تقلید و اتباع کے لئے کوئی امام اور پیشوا نہ ہوتا جس امت کے لئے قیامت تک باقی رہنے اور تمام انسانی ادوار اور تاریخ کے نشیب و فراز سے گزرنا مقدر تھا، اس کے لئے دونوں طرح کے نمونوں کی ضرورت تھی اور خلافت راشدہ نے اپنے پورے اجزاء کے ساتھ ان نمونوں کو فراہم اور اس رہنمائی کو مکمل کر دیا، رضی اللہ تعالیٰ عن ابی بکر و عمر و عثمان و علی و ارضاہم و اکرمہم و جزاہم عن الاسلام و عن ھذہ الامۃ خیر الجزاء۔